ماہنامہ

ترجمان القرآن

جاری کردہ:

مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی

مکتبہ قرآنیات
کی
بصیرت افروز مطبوعات

لفظی اردو ترجمہ	پارہ اول	محمد رفیق چودھری	روپے
لفظی اردو ترجمہ	، دوم	″ ″ ″	۸/-
بامحاورہ اردو ترجمہ	، اول	″ ″ ″	۹/-
بامحاورہ اردو ترجمہ	دوم	″	۹/-
تفسیر سورۂ نور		مولانا ابوالکلام آزاد	۹/-
قرآن سے انٹرویو		محمد رفیق چودھری	۱۸/-
قرآنیات			۵۴/-
حدیث قرآن کی تشریح کرتی ہے			۱۰/-
خدا کی ہستی		مولانا ابوالکلام آزاد	۱۲/-
آخرت کی زندگی			۶/-
حد رجم		محمد رفیق چودھری	۳۶/-

ملنے کا پتہ :

ادارہ ترجمان القرآن (پرائیویٹ) لمیٹڈ اردو بازار لاہور

***

ماہنامہ ترجمان القرآن

جاری کردہ:

مولانا سیّد ابوالاعلیٰ مودودیؒ

ادارہ ترجمان القرآن (پرائیویٹ) لمیٹڈ، اچھرہ، لاہور (پاکستان)

ماہنامہ **ترجمان القرآن** لاہور

رجسٹرڈ نمبر ایل : ۵۳۴۰

جلد ۱۱۳ **جون ۱۹۹۰ء ذیقعدہ ۱۴۱۰ھ** عدد ۴

اشارات :	نعیم صدیقی	۳
حکمت سید مودودیؒ :	(ادارہ)	۸
مقالات :		
. جہادِ کشمیر اور پاکستان	جناب حافظ محمد ادریس	۱۰
دین کی غربت اور تہذیبِ مغرب (۲)	جناب منیر احمد خلیلی	۱۹
پاکستان میں انگریزی ذریعۂ تعلیم کی ترویج	جناب سمیہ طفیل	۲۷
انسانی اعضا وجوارح کی پیوندکاری	جناب عصمت اللہ	۳۷
رسائل ومسائل :		
حضرت عمرؓ وحضرت ساریہؓ کا واقعہ	جناب ملک غلام علی	۴۴
مضوعات :	(ادارہ)	۴۹

رابطہ وترسیل زر کے لیے : ادارہ ترجمان القرآن (پرائیویٹ) لمیٹڈ ۔ رحمٰن مارکیٹ ، اردو بازار ، لاہور

فون نمبر : ۳۲۴۴۶۸ ـ ۶۸۶۳۶ پوسٹ بکس نمبر : ۱۴۴۳ ـ

فی پرچہ : ۶ روپے زرِ سالانہ : ۶۰ روپے

سید حسین فاروق مودودی نے ایچ فاروق ایسوسی ایٹس لمیٹڈ لاہور سے چھپوا کر دفتر ترجمان القرآن اچھرہ لاہور سے شائع کیا

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اشارات

کشمیر کے متعلق ہمارے دلوں میں جو زخم ہائے خونچکاں ہر روز لگتے ہیں، ان کا بیان تو جاری رہے گا۔ اس وقت صرف دو سازشی منصوبوں کو نمایاں کرنا اور ان کے معانی کو سامنے لانا ہے۔

ایک منصوبہ بھارت کے سامنے یہ ہے کہ جگ موہن کے اعلان کے مطابق جماعتِ اسلامی اور دینی رجحان کی دوسری قوتوں کو اچھی طرح کچل کر (ایک سو سے تین سو آدمی ایک دن میں مارنے کا ریکارڈ ہے اور گرفتاریاں الگ) جداگانہ آزاد کشمیر کے علمبرداروں یعنی لبریشن فرنٹ والوں کو آگے لایا جائے اور ان کے اندر سے رہا سہا فنڈا منٹلزم نکال کر ان کو پٹی پڑھائی جائے کہ وہ اگر آزادیٔ کشمیر بلا الحاق پاکستان کا علم بلند کریں تو ہم لیت و لعل کے بعد منظور کرلیں گے اور فلاں فلاں مفاد آپ کو مہیا کریں گے۔ اسی اسکیم کے مطابق ہمارے ہاں آزاد کشمیر کے انتخابات کی بساط اُلٹ گئی ہے اور یہاں بھی اب لبریشنیوں کا غلبہ ہوگیا ہے۔ پھر یہ پروپیگنڈا زور پر ہے کہ مسئلۂ کشمیر کے غم کی چکی میں پس پس کر گھبرائے ہوئے بعض پاکستانی اور ساتھ ہی کشمیری بھی یہ کہنے لگے ہیں کہ ٹھیک تو ہے، پہلے کشمیریوں کو عام آزادی حاصل کر لینے دو، پھر دس سال بعد وہ چپکے سے ہم سے آملیں گے۔ اس سلسلے میں جناب خالد اسحٰق ایڈووکیٹ جیسے بعض ممتاز دانش وروں کا معاملہ ذرا الگ رکھ کر ہم ان دانشورانِ بے دانش کے میٹھے سوالوں کا جواب دیتے ہیں۔

یہ سمجھنا کہ بھارت کسی دن اچانک علیحدگی کشمیر کی دستاویز پر دستخط کر کے مقررہ تاریخ کو بوریا بستر سمیٹ کر کہے گا کہ جاؤ آج سے تم آزاد ہو۔ اس طرح کی آزادیاں صرف قوت سے حاصل ہوتی ہیں، سازشوں اور ڈپلومیٹک سمجھوتوں سے نہیں۔

انڈیا گفت و شنید کی میز پر کشمیریوں (لبریشن فرنٹ کے لیڈروں) کو بٹھا کر ان کی آزادی کا فیصلہ بہ طور تمہید ضرور بیان کرے گا، لیکن پھر کہے گا کہ چند ضروری معاملات کو بھی طے کرنا ہے۔ مثلاً:

۱۔ ہم نے وادی میں ترقیاتی مقاصد سے جو خرچ اس تصور کے تحت کیا تھا کہ ریاست ہمارے ساتھ رہے گی، اب آپ اس کی ادائیگی کے لیے ہمارے ساتھ پانچ، دس سال کی قسطیں مقرر کر لیں۔

۲۔ یہاں ہماری بعض اہم تنصیبات ہیں، اُن کی حفاظت اور ان میں بھارتی افسروں کی آزادانہ آمد و رفت وغیرہ کے سلسلے میں ہم آپ کو سالانہ پانچ کروڑ روپے بطور عوضانہ ادا کرتے رہیں گے۔

۳۔ یہاں سے ہم جو پانی آب پاشی اور بجلی حاصل کرنے کے لیے لے رہے ہیں، ان کا معاوضہ ہم دس کروڑ روپے سالانہ کے حساب سے ۴۰ سال تک ادا کرتے رہیں گے۔

۴۔ بھارت اور کشمیر کے درمیان سفر کرنے والوں کو ویزا کی ضرورت نہ ہو گی۔

۵۔ کشمیر کی پیداواروں اور فصلوں کو بھارت عالمی منڈی کے نرخوں کے مطابق خرید کرتا رہے گا اور اس کے مقابلے میں اپنی مصنوعات بھارت کو دیتا رہے گا۔

۶۔ باشندگانِ کشمیر میں سے ہم ہر سال ۲۵ کوالی فائیڈ افراد کو بہترین فوجی، سول، سائنسی اور صنعتی اداروں میں افسری کے موزوں عہدوں پر لیں گے اور پانچ سو افراد کو ہر سال عام دفتری یا فرموں کی ملازمتوں میں کھپا لیں گے۔

۷۔ کشمیر کی بے شمار ترقیاتی ضروریات کے لیے بھارت دس ارب روپے ۲۰ سال کے لیے آسان شرائط اور کم شرح سود پر قرض بھی دیتا ہے۔

۸۔ بھارت بلا کسی معاوضہ کے ایک یونیورسٹی اور چار ہسپتالوں کا نظام

جذبۂ خیر سگالی کے تحت چلائے گا۔ دس سال کے بعد یہ ادارے حکومت کشمیر کی تحویل میں دے دیئے جائیں گے۔

مساوی آزاد حیثیت کی دو حکومتوں کے اس دوستانہ معاہدے کے ہوتے ہوئے کسی بھی تیسرے رفیق کا کشمیر میں سیاسی، معاشی، سائنسی اور صنعتی طور پر حصّہ لینا مدت معاہدہ میں بغیر اس کے ممکن نہ ہو گا کہ اس معاہدے کے دونوں فریق اس پر متفق ہوں۔

اس کے بعد امریکہ کہے گا کہ کشمیر کو جس سامانِ دفاع کی ضرورت ہے، اس کا نصف حصّہ بلامعاوضہ اور نصف حصّہ کم قیمت میں دیا جائے گا جس کی ادائیگی آسان اقساط میں ۱۵ سال میں ہوگی۔ نیز تیل کی تلاش یا دوسرے اداروں کو چلانے کے لیے اگر ہمارے ہاں سے ماہرین کی ضرورت ہو تو ہم پانچ سال تک مفت فراہم کریں گے۔

ادھر سے روس کے وفود آئیں گے کہ ہم اٹامک بجلی گھر پیش کرنا چاہتے ہیں۔

اسرائیل شاید کہے کہ میری طرف سے جنگی طیاروں کا ایک سکواڈرن بطور تحفہ حاضر ہے۔

اُدھر سے امریکہ دوڑا دوڑا آئے گا اور پیشکش کرے گا کہ تعلیمی، دفاعی، انتظامی، پارلیمانی، فلزاتی ماہرین سپلائی کرے گا۔

اب ذرا ہمارے دانش ورانِ سرمستِ خواب، ذہن کو بیدار کر کے اور آنکھیں کھول کر سوچیں کہ کشمیر کی آزادی کا واقعہ کس صورت میں نمودار ہو گا جبکہ چاروں طرف سے آزاد ہو جانے والے مقبوضہ کشمیر پر بولیاں لگیں گی کہ کس کا غیر مرئی سامراج آسیب بن کر کام کر سکتا ہے۔ کیا آپ بھی متذکرہ بولی دینے والوں کے ساتھ مقابلے کی بولی دے سکیں گے۔

مفاد کا ایسا طلسم اہلِ کشمیر پر طاری کیا جائے گا کہ وہ اسلام اور پاکستان اور الحاق اور دو قومی نظریے وغیرہ سب کو بھول جائیں گے۔ کیا ہم اہلِ پاکستان بحرِ نظریاتی حوادث کے چند غوطے کھا کر سب کچھ نہیں بھول گئے۔

خدارا سارا مسئلہ از سرِ نو سوچیے۔

کشمیر کے خلاف دوسری سازش خود متذکرہ سازشوں کے ساتھ شامل ہے کہ کشمیر کو تقسیم کر دیا جائے ۔ یہ نادر خیال سپر پاور امریکہ کا سنہ ۵۰ء میں سامنے آیا تھا اور کشمیر کانفرنس نے اس پر ایسی گرفت کی کہ دوبارہ اس کا نام نہیں لیا گیا ۔ اب پھر پریشان حال پاکستان اور لہولہان کشمیر کے سامنے اس سازش کو رکھا جا رہا ہے کہ جو حصہ بھارت کے پاس ہے، وہ رہے، وادی کشمیر آزاد ڈیوئنٹ ہو اور موجودہ آزاد کشمیر پاکستان کے ساتھ رہے ۔

بظاہر بڑی معصوم تجویز ہے اور ہر ایک کے سر سے مصیبتیں ٹل جاتی ہیں ۔ مگر ایک تو مقبوضہ کشمیر کے آزاد ہونے کا عمل جس طرح ہوگا اس کی ایک جھلک آپ نے دیکھ لی ۔ دوسرے اس کا سارا وبال تو پاکستان پر پڑتا ہے، جس کی وجہ سے ساری چیخ پکار ہے ۔

پھر آگے یہ خطرہ موجود ہے کہ جس طرح بھارت نے مقبوضہ کشمیر کے لیے استصواب استصواب پکارتے پکارتے یکایک اٹوٹ انگ کا جاپ شروع کر دیا تھا ۔ چند سال میں اس کا اگلا قدم یہ ہوگا کہ کشمیریوں کو وہ اکسائے گا کہ تمہاری ریاست تو گلگت تک پھیلی ہوئی ہے، اس کا مطالبہ پاکستان سے کرو ۔ اور پھر کشمیریوں کے دوست کی حیثیت سے وائر پلنگ کرے گا، بلکہ اگر دفاعی اشتراک کا معاہدہ بھی ہو گیا تو وہ جنگ چھیڑ دے گا ۔ جنگ اگر سیاچین پر ہو سکتی ہے تو مظفر آباد سے گلگت تک کیوں نہیں ہو سکتی ۔ باہر کی اقوام بیچ میں پڑیں گی اور بھارت کے ساتھ سپر پاور مل کر ہمارا ایک اور ٹکڑا اکھڑوا دیں گی ۔ اس وقت دنیا بھر کے قصائی پاکستان کے ٹکڑے کاٹنے کے درپے ہیں ۔

اس فاش قسم کی دھاندلی سے بچنے کے لیے بھارت نے پاکستان اور بنگلہ دیش اور کشمیر کے ساتھ کنفڈریشن بنانے کی ایک اسکیم اچھال دی ہے ۔ یعنی یہ ذرا میٹھی چھری ہے، جس سے کبوترانِ حرم بلا مزاحمت ذبح ہو سکتے ہیں ۔

اس کے ایک معنی تو یہ ہیں کہ بھارت اپنے مسلم دشمن تعصب کے آسیبی طلسم میں ہم پاکستانیوں کو پھر گرفتار کرنا چاہتا ہے اور اس تعلق کی بنا پر ہمارے ہر مسئلے میں

دخل دے گا۔ ہماری ہر وادی میں گھسے گا، ہمارے ہاں ہر شعبے میں سازشیں پھیلائے گا کچھ تجارتی اول بدل بڑھے گا اور کچھ ملازموں اور مزدوروں کے تبادلے ہوں گے۔ ہر چیز کی جاسوسی ہوگی۔ بھارت کا ثقافتی ریلا جو اس وقت بھی پریشان کن ہے، آگے چل کر ایمان کو بہالے جانے والا سیلاب بن جائے گا۔ ٹیلی وژن اور فلمیں اور ویڈیو فلمیں اور آڈیو کیسٹ، زندہ ناچ گانے، ماتھوں کی بندیاں، کمروں کی ساریاں، ہندوانہ طرز کے جوڑے، دونوں ہاتھ جوڑ کر پرنام کرنے کا طریقہ، شراب اور جوئے کا شوقِ عام، بت پرستی اور بت تراشی کے کمالات، تھوڑی سی آتش پرستی (کم سے کم آتش بازی)، تناسخ کے فلسفے کی دلچسپیاں — اور اس طرح کی صدہا بلائیں ٹوٹ پڑیں گی۔ اور سامراجیت کا منتر تو الگ ہوگا۔ پاکستان کو نکل بھاگنے کی سزا دینے پر جب دنیا کی بدترین مشرک اور تباہ کارِ انسانیت قوم قادر ہو جائے گی تو بنگلہ دیش کی آزمائش تو اور بھی سخت ہوگی۔

اس منصوبے کا دوسرا منشا یہ ہے کہ دنیائے اسلام کے کچھ خاص ذہنوں میں یہ تصور نقش ہے کہ کشمیر، موجودہ آزاد کشمیر، پاکستان، افغانستان، ایران، ترکی، سعودی عرب، خلیجی ریاستیں، مصر و سوڈان، الجیریا، نائیجیریا، تیونس وغیرہ کو کسی وقت ایک متحد و متحرک قوت بن جانا ہے، اسے روکا جائے۔ متذکرہ منصوبے کا خاص ہدف یہ ہے۔ مسلمانوں کی احیائی قوت کا سرچشمہ پاکستان میں بنایا گیا تھا، مگر وہ جلد ہی خس و خاشاک سے اٹ گیا۔ اب ایسے کسی نئے آدمی کا انتظار ہے جو اس مرکزی سرچشمہ کو پھر جاری کر دے۔

حکمتِ سیّد مودودیؒ

ڈائرکٹ ایکشن اور سول نافرمانی

اس میں کوئی شک نہیں کہ یہ ایک غیر آئینی طریقِ کار ہے، کیوں کہ آئین جو ملکی حکومت کی پالیسی پر اثر انداز ہوتے یا اس سے مطالبات تسلیم کرانے کے جو طریقے مقرر کرتا یا جائز رکھتا ہے، یہ طریقہ ان میں شامل نہیں ہے اور کوئی آئین احکام کی نافرمانی یا قوانین کی خلاف ورزی کو جائز نہیں رکھتا۔ لیکن صرف یہ بات کہ یہ غیر آئینی طریقِ کار ہے، اس کو حق اور انصاف کے خلاف ثابت کر دینے کے لیے کافی نہیں ہے۔ انسانی عقلِ عام حق اور انصاف کے جن تصورات کو ہمیشہ سے قبول کرتی رہی ہے اور آج بھی قبول کرتی ہے، اُن کی رُو سے ایک حکومت، قطع نظر اس سے کہ وہ جمہوری ہو یا شخصی یا کسی اور قسم کی، اطاعت کا غیر مشروط اور غیر محدود حق نہیں رکھتی اس کا یہ حق اس شرط کے ساتھ مشروط ہے، اور اس کو اسی حد تک محدود رہنا چاہیے کہ اس کے احکام، قوانین، نظریات اور حکمتِ عملی، معقولیت پر مبنی ہوں اور ملک کے عام باشندے ان پر مطمئن ہوں۔ کسی حکومت کو یہ حق نہیں پہنچتا کہ لوگوں پر ان کی مرضی کے خلاف ایک ایسا نظام یا نظریہ یا حکم مسلط کر دے جو دلیل سے معقول اور جائز ثابت نہ کیا جا سکتا ہو اور جس کا بُرا اثر لوگوں کے مذہب یا اخلاق یا نظامِ تمدن و معاشرت یا مادی مفاد پر پڑتا ہو۔ آئین کا احترام اور اس کی پابندی بلاشبہ ملک کے ...... امن و امان کے لیے ضروری ہے، اور

امن و امان نہایت قیمتی چیز ہے، مگر ایک حکومت غیر معقول رو یہ اختیار کرے اور عوام کی مرضی کے خلاف ان پر اپنی مرضی زبردستی ٹھونس کر، اور ان کے جائز مطالبات اور اظہارِ ناراضی کو ٹھکرا کر خود آئین کی بے احترامی کا دروازہ کھولتی ہے، اور ایسا رویہ اختیار کرنے کے بعد اُسے یہ مطالبہ کرنے کا حق باقی نہیں رہتا کہ لوگ اس کے آئین کا احترام کریں۔ اس معاملہ میں حکمرانوں کا نقطۂ نظر بالعموم یہ رہا ہے کہ لوگوں کو بہرحال اطاعتِ امر کرنی چاہیے خواہ حکومت معقول رویہ اختیار کرے یا غیر معقول اور خواہ وہ ظلم کرے یا انصاف۔ نمرودیت و فرعونیت ہمیشہ اسی اصول کا سہارا لیتی رہی ہے، مگر انسانیت کے ضمیر نے کبھی اس کو تسلیم نہیں کیا ہے اور اسی بنا پر انسانیت نے ہمیشہ ان لوگوں کو سراہا ہے جنھوں نے ظلم اور جبر اور ناروا استبداد کا مقابلہ کیا ہے۔ انسان کی حسِ انصاف نے "پُرامن نافرمانی" ہی نہیں بلکہ مسلح بغاوت تک کی ایسے حالات میں حمایت کی ہے جب کہ حکمران (خواہ وہ مُلکی ہوں یا غیر مُلکی) باشندوں کی مرضی پر اپنی مرضی اور غیر معقول مرضی زبردستی ٹھونسنے پر مُصر رہیں اور اصلاح کی معقول اور پُرامن تدبیروں کا اثر قبول کرنے سے انکار کیے چلے جائیں[1]

---

[1] قادیانی مسئلہ کلاں، از مولانا سیّد ابوالاعلیٰ مودودی۔ ص ۲۶۵ - ۲۶۶

جہادِ کشمیر اور پاکستان

جناب حافظ محمد ادریس صاحب

"کشمیر پاکستان کی شاہ رگ ہے" بانیٔ پاکستان کا یہ مشہور و معروف فقرہ کوئی جذباتی نعرہ نہیں ہے۔ یہ نہایت کھری حقیقت ہے کہ کشمیر پاکستان کے لیے شہ رگ کی حیثیت رکھتا ہے۔ کشمیر کی آزادی اور پاکستان کے ساتھ اس کے الحاق کے بغیر پاکستان ہر لحاظ سے نامکمل ہے۔ پاکستان کی بقا اور ارتقا کا دارومدار کشمیر پر ہے — پاکستان کو سیراب کرنے والے اکثر دریاؤں کے سوتے وادیٔ کشمیر سے پھوٹتے ہیں — بھارت کی چوری اور سینہ زوری کی اس سے بدترین مثال اور کیا ہو سکتی ہے کہ اُس نے ہمارے دریاؤں پر سلال اور وولر ڈیم بنا کر ہماری معیشت کو تباہ کرنے کی گھناؤنی چال چلی ہے۔

کشمیر اور نہرو خاندان

انگریزی استعمار سے آزادی حاصل کرنے کے لیے جو تحریک مسلمانوں کی نمائندگی کا نعرہ بلند کر کے اُٹھی۔ اس کے پیشِ نظر ایک آزاد و خود مختار اسلامی ریاست کا قیام تھا۔ مسلمانوں کی بھاری اکثریت نے قائداعظم محمد علی جناح کی قیادت میں اس تحریک کا بھرپور ساتھ دیا۔ یہ بات اب تحریک کا حصہ بن چکی ہے کہ اسلامی ریاست کا تصور نہایت حسین اور پُرکشش تھا۔ جس کی وجہ سے ہندوستان کے اُن علاقوں میں بھی تحریکِ پاکستان کو مقبولیت حاصل ہوئی جو تقسیم کی صورت میں پاکستان کا حصہ نہ بن سکتے تھے۔ تقسیمِ ملک کے لیے جو اصول متفقہ طور پر طے

ہو چکے تھے ان کے لحاظ سے کشمیر کسی اختلاف کے بغیر پاکستان کا حصہ تھا ، مگر ہندو بنیا ہر قیمت پر کشمیر ہڑپ کرنے کا تہیہ کیے ہوئے تھا۔ کانگریس کے لیڈر موتی لال اور جواہر لال نہرو کشمیری پنڈت ہونے کے ناطے کشمیر کو بھارت سے کسی صورت الگ نہیں دیکھنا چاہتے تھے۔ تحریک آزادی کے دوران میں کشمیری مسلمانوں نے مسلم کانفرنس کے نام سے انگریز اور ہندو سامراج کے خلاف جدوجہد کا آغاز کیا۔ مسلم کانفرنس کے لیڈر میر واعظ مولوی محمد یوسف، چوہدری غلام عباس اور شیخ محمد عبداللہ تھے۔ شیخ محمد عبداللہ خوش الحان، ذہین اور تعلیم یافتہ نوجوان تھے۔ میر واعظ جنہیں کشمیر میں تقدس کی حد تک محترم سمجھا جاتا تھا شیخ عبداللہ کو اپنے جلسوں میں ساتھ رکھتے تھے۔ شیخ عبداللہ نے اپنی کتاب "آتش چنار" اور چوہدری غلام عباس مرحوم نے اپنی سوانح حیات "کشمکش" میں ان واقعات کا تفصیل سے ذکر کیا ہے۔ تاریخ کشمیر کا ہر طالب علم اس بات سے بخوبی واقف ہے کہ شیخ عبداللہ اپنی ذہانت کے باوجود بعض مہلک کمزوریوں میں مبتلا تھے۔

شیخ عبداللہ کی قلابازی

ہندو بنیا اپنے مخالفین سے کھلے میدان میں جنگ لڑنے کے بجائے ہمیشہ سازشوں کے جال بچھانے اور دشمن کو دھوکے سے زیر کرنے کا نہ صرف عادی رہا ہے بلکہ اس میدان کا ماہر فنکار بھی ثابت ہوا ہے۔ شیخ عبداللہ کی کمزوریوں میں سے بڑی کمزوری ان کی خود پسندی، ذاتی شہرت اور اقتدار کی ہوس تھی۔ ہندو بنیئے نے اس کا خوب فائدہ اٹھایا۔ ۱۹۳۳ء میں پنڈت پریم ناتھ بزاز نے شیخ عبداللہ سے تنہائی میں ایک طویل ملاقات کی۔ شیخ عبداللہ اسی دن ہندو جال میں گرفتار ہو کر مسلمانانِ کشمیر سے غداری کے مرتکب ہو گئے تھے۔ اپنی سوانح عمری "آتشِ چنار" کے صفحہ ۲۱۲ پر وہ خود اس بات کا اعتراف کرتے ہوئے لکھتے ہیں "متحدہ اور سیکولر پلیٹ فارم قائم کرنے کا بیج اسی دن بویا گیا تھا، جب جولائی ۱۹۳۳ء میں پنڈت پریم ناتھ بزاز سے چشمہ شاہی کے باغ میں میری ملاقات ہوئی تھی۔"

کانگریس کے معروف رہنما ڈاکٹر سیف الدین کچلو بھی کشمیری تھے مگر امرتسر میں مقیم تھے کانگریس کی ہائی کمان نے ان کے ذریعے بھی شیخ عبداللہ پر ڈورے ڈالے۔ رہی سہی کسر پنڈت نہرو کی ملاقات نے نکال دی۔ یہ ملاقات لاہور میں ۱۹۳۷ء میں ہوئی جس کے بعد شیخ عبداللہ نے مسلم کانفرنس کو آل جموں و کشمیر نیشنل کانفرنس میں تبدیل کر دیا۔ چوہدری غلام عباس اور ان کے ساتھیوں نے سخت احتجاج کیا۔ اور جب یہ محسوس ہوا کہ شیخ عبداللہ میر جعفر اور میر صادق کا روپ دھار چکے ہیں تو چوہدری غلام عباس ان سے الگ ہو گئے اور آل جموں و کشمیر مسلم کانفرنس کے پلیٹ فارم سے کشمیر کی آزادی اور پاکستان کے ساتھ الحاق کی کوشش کرتے رہے۔

غدارانِ ملت کا کردار شیخ عبداللہ کے غدار قوم ہونے میں اگر کسی کو شک و شبہ ہے تو اُسے تاریخ کا مجھ سے مطالعہ کرنا چاہیے۔ حقیقت یہ ہے کہ سپین سے مسلمانوں کا بے دخل ہونا، بغداد کا تاتاریوں کے ہاتھوں تباہ ہونا، ہندوستان سے مغلیہ سلطنت کا خاتمہ، شیر میسور ٹیپو سلطان شہید کی شہادت اور سرنگاپٹم کا سقوط اور وسطی ایشیا کی ریاستوں کا سُرخ سامراج کے زیرِ نگیں آجانا اندرونی غداروں کی غداری کے بغیر ممکن نہ تھا۔ جہاں کہیں ہماری تاریخ میں ایسے واقعات رونما ہوئے ہیں ان کے پس منظر میں کوئی نہ کوئی ابنِ علقمی، کوئی میر جعفر یا میر صادق ضرور نظر آتا ہے۔ کشمیر کا ابنِ علقمی شیخ عبداللہ ہے۔ ستم ظریفی تو یہ ہے کہ شیخ عبداللہ کو پاکستان میں "شیرِ کشمیر" کے نام سے یاد کیا جاتا تھا۔ حالانکہ اس کی اصلیت سب کو معلوم تھی۔ میں اپنے سکول اور کالج کے دَور کو یاد کرتا ہوں تو مجھے افسوس ہوتا ہے کہ ملکی اخبارات ہمیں یہی باور کراتے رہے کہ شیخ عبداللہ شیر کشمیر ہے۔ جب تاریخ کو اس کے صحیح تناظر میں دیکھا تو پتہ چلا کہ شیخ عبداللہ کی حقیقت کیا ہے۔ کشمیری مسلمانوں کو طوقِ غلامی میں گرفتار کرانے والا یہ شخص ملت کا بہت بڑا مجرم ہے۔

مسئلہ کشمیر سرد خانے کی نظر مسئلہ کشمیر اقوامِ متحدہ کی فائلوں میں اب تک دفن رہا ہے پاکستان کی کوئی بھی حکومت اسے حل نہیں کرا سکی۔ پنڈت نہرو نے خود یہ مسئلہ کشمیر

میں جنگ بندی کے لیے اقوام متحدہ میں پیش کیا تھا۔ عالمی ادارے میں بحث کے دوران یہ طے ہوا تھا کہ کشمیر پاکستان اور ہندوستان کے درمیان متنازعہ علاقہ ہے اور اس کا حل کشمیریوں کو اپنی آزادانہ رائے شماری سے خود ڈھونڈنا ہے۔ آزادانہ رائے شماری کی صورت میں لازماً کشمیری پاکستان کے حق میں فیصلہ دیتے۔ بھارتی پارلیمنٹ میں جب اس موضوع پر پنڈت نہرو پر سوالات کی بوچھاڑ ہوئی تو اُس نے جواب دیا "تم لوگ بلاوجہ پریشان ہو رہے ہو۔ کچھ عرصہ بعد پاکستان اس مسئلے کو بھول جائے گا اور کشمیر ہندوستان کے اٹوٹ انگ کی حیثیت سے ہمارے پاس رہے گا۔"

مختلف حکومتوں نے مسئلہ کشمیر کے حل کے لیے کتنی سنجیدہ کوششیں کیں۔ اس موضوع کو ہم فی الحال نظر انداز کرتے ہیں۔ معاہدہ کلکتہ ہو، میثاق تاشقند ہو یا شملہ سمجھوتہ ہو، ہر ایک کے بارے میں محققین کافی تجزیے پیش کر چکے ہیں۔ اس موقع پر الجزائر کے پہلے صدر اور جنگ آزادی کے ہیرو بن بیلہ کا یہ تبصرہ بہت سچا اور حقیقی معلوم ہوتا ہے۔ "تقریروں سے کچھ حاصل نہیں ہو سکتا۔ کشمیر کے لیے قربانیاں درکار ہیں۔ ہم نے فرانسیسی سامراج کے خلاف قربانیاں دی ہیں۔ اور لاکھوں شہداء کا نذرانہ پیش کیا تو ہمیں آزادی کی نعمت ملی۔ وادی کشمیر بھی شہداء کا خون مانگتی ہے۔"

جہاد ملت کی بقا کا ضامن چند ماہ پہلے تک کسی کے خواب و خیال میں بھی نہ تھا کہ کشمیر کی وادی شعلۂ جوالہ بن جائے گی۔ جہاد ملتِ اسلامیہ کے لیے زندگی اور بقا کا ضامن ہے۔ اسلام مسلمانوں کا محافظ ہے۔ انہوں نے جب بھی کبھی اسلام کی طرف رجوع کیا ہے اُن کی عزّت، قوت اور شوکت میں اضافہ ہوتا رہا ہے۔ جہاد افغانستان ہماری عصری تاریخ میں ایک عظیم الشان واقعہ ہے۔ اس جہاد نے تاریخ اسلام کا یہ معجزہ ایک بار پھر دُنیا کے سامنے پیش کر دیا ہے کہ سپر طاقت محض اللہ ربّ العزّت ہے۔ رُوس کا سارا گھمنڈ خاک میں مل گیا ہے۔ روس کے توسیع پسندانہ عزائم جن کی تاریخ گذشتہ چند صدیوں پر محیط ہے، نہ صرف ان کو بریک لگ گئی ہے، بلکہ اب رُوس کے ٹکڑے ہونے کا عمل شروع ہو چکا ہے۔ یہ تو جہادِ افغانستان کا ایک

خوشگوار پہلو تھا۔ اس کا دوسرا خوشگوار پہلو یہ ہے کہ دنیا کی محکوم قوموں کو عزتِ نفس حاصل ہوتی ہے اور انہوں نے جابروں کے تخت یک دم اُلٹا دیئے ہیں۔ مشرقی یورپ کے تمام ملک اس کا زندہ ثبوت ہیں۔ پولینڈ کی سالیڈیریٹی موومنٹ کے لیڈر لیخ والیسا نے تو برملا اعتراف کیا ہے کہ جہادِ افغانستان سے انہوں نے بہت [illegible] اور تقویت حاصل کی تھی۔

جب جہادِ افغانستان کا غیر مسلم دنیا پر اتنا زبردست احسان ہے تو ملّتِ اسلامیہ اس کی برکات سے کیسے محروم رہ سکتی تھی۔ وادیٔ کشمیر میں حریت کی چنگاریاں تو ہمیشہ موجود رہیں۔ مگر افغان مجاہدین کی ایمان افروز مثالوں نے ان چنگاریوں کو شعلہ بنا دیا۔ آج سے چھ ماہ قبل کسی کو ہرگز اندازہ نہ تھا کہ کشمیر میں کیا کچھ ہونے والا ہے۔ ہمارے ریڈیو اور ٹیلی وژن نے تو تحریک کے زور پکڑ لینے کے باوجود اسے مکمل طور پر نظر انداز کیے رکھا۔ اب بھی ہمارے ذرائع ابلاغ جہادِ کشمیر کے لیے اپنا فرض ادا کرنے سے قاصر نظر آتے ہیں، بلکہ میں یہ کہوں کہ جہاد کی راہ میں ہمارا میڈیا رکاوٹ ہے تو یہ غلط نہ ہوگا۔ اس کی تفصیل آگے کی سطور میں آرہی ہے۔

جہادِ کشمیر اور ذرائع ابلاغ

وادیٔ کشمیر گل گوں ہے۔ کشمیر کی تاریخ میں پہلی (اور انشاء اللہ آخری) بار ۲ مارچ جمعۃ المبارک کی نماز سری نگر کی کسی مسجد میں ادا نہ کی جاسکی۔ کرفیو کی یہ سختیاں حریت کا راستہ بھلا کیسے روک سکیں گی۔ آزادی کا سورج تو طلوع ہو کر رہے گا۔ افسوس تو اس بات پر ہے کہ اس خونچکاں جدوجہد کے دوران میں پاکستانی ٹیلی وژن سے ہولی کے رقص دکھائے جا رہے تھے۔ اس ہندو تہوار کو پاکستان ٹی وی نے جس انداز میں دکھایا اُسے دیکھ کر مقبوضہ کشمیر سے آئے ہوئے ایک مسلمان نے نہایت درد و کرب مگر بے ساختگی سے کہا "یہ پاکستانی ٹی وی ہے یا بھارتی دوردرشن؟" ہمارا کشمیری بھائی اپنے زخموں کے لیے مرہم کا طلبگار تھا، مگر یہاں نمک پاشی سے پالا پڑا۔ ؎

فلک نے ان کو عطا کی ہے خواجگی کہ جنہیں
خبر نہیں روشِ بندہ پروری کیا ہے؟

"بھارتی دوردرشن" اپنی قوم کے بچے بچے کو کس انداز میں اسلام دشمنی پہ آمادہ کر رہا ہے۔ اس کی یہاں محض ایک مثال عرض کرتا ہوں۔ بچوں کے پروگرام میں ماں اپنے بچے کو لوری دیتے ہوئے گیت سُنا رہی ہے۔ "بیٹے دُور نہ جانا ترک نشے میں چور رہے۔ اس سے بچ کر رہنا"

بیٹا سوال کرتا ہے۔ "ماں ترک کون ہے؟"

ماں اُسے جواب دیتی ہے۔ "پُرانے وقتوں کی بات ہے ایک ترک بادشاہ تھا وہ بہت ظالم تھا، وہ چور بھی تھا۔

وہ ہندوستان آتا اور بھگوان کی مورتیاں توڑ کر سونا چرا لیتا۔

پھر وہ بھاگ جاتا تھا۔

مائیں اس ظالم سے اپنے بچوں کو ڈرایا کرتی تھیں۔

اس کا نام تھا محمود غزنوی"

اس کے برعکس اپنے میڈیا کا حال کس کو بتائیں۔ ایک حریت پسند کشمیری جس نے مدت تک بھارتی مظالم کا مردانہ وار مقابلہ کیا اور "کشمیر بنے گا پاکستان" کے نعرے سے باز نہ آیا۔ نہ کوڑے اس کا مزاج درست کرسکے، نہ جیل کی سختیوں سے اس کی ہمت پست ہوئی۔ اس کے اپنے بقول اُسے اچانک وادی سے جموں لایا گیا۔ یہاں اُس نے پایا جیلروں کا رویہ بالکل مختلف تھا۔ سختی کی جگہ نرمی، اور اذیت کے بجائے میزبانی! یا اللہ یہ کیا ماجرا ہے؟ اسی آرام دہ ماحول میں پاکستان ٹی وی کے پروگرام دکھائے جانے لگے۔ "اف! میرے اللہ میں کیا دیکھ رہا ہوں؟ ابھی حریت پسند کا ذہن اس کشمکش میں مبتلا تھا کہ صیاد نے کہا " یہ پاکستان ہے جس کے ساتھ تم الحاق چاہتے ہو؟ یہ تمہارے خوابوں کا گہوارہ ہے؟ یہ تمہارا اسلام ہے جس کے لیے تم نے بھارت ماتا کے خلاف علمِ بغاوت بلند کر رکھا ہے؟ ..."

حریت پسند نے کہا " میرے پاؤں تلے سے زمین کھسکتی ہوئی محسوس ہوئی۔ یہ تو اللہ کا احسان ہے کہ میں سنبھل گیا مگر سوچنے کی بات ہے کہ پاکستان کی منزل کیا

ہے اور اسے کہاں دھکیلا جارہا ہے؟"
حریت پسند کا یہ سوال ہم سب سے ہے۔ کیا ہم نے کبھی اس سوال پر بھی غور و فکر کیا ہے؟ وادیٔ کشمیر لہو میں ہر روز غسل کرتی ہے اور پاکستانی قوم راگ رنگ اور رقص و سرود میں مست ہے۔ اقبال نے کیا خوب کہا ہے:

آ تجھ کو بتاؤں میں کہ تقدیرِ اُمم کیا ہے
شمشیر و سناں اوّل طاؤس و رباب آخر

بھارت کی پھرتی اور پاکستان کی غفلت

کشمیر میں جونہی بیداری کی لہر دوڑی بھارتی حکومت حرکت میں آگئی۔ اندرونی طور پر فوج کے ذریعے حریت پسندوں کو کچلنے کا اہتمام کیا گیا اور بیرونی محاذ پر سفارتی کاوشیں منظم کی گئیں۔ بھارتی سفارت خانے ویسے بھی ہمارے سفارت خانوں کے مقابلے میں ہمیشہ زیادہ فعّال اور سرگرمِ عمل رہتے ہیں، مگر ایسے مواقع پر تو ان کی ڈپلومیسی قابلِ دید ہوتی ہے۔ سفارت کاروں کے علاوہ بھارتی وزیرِ خارجہ سمیت مختلف ذمہ داران کی سرکردگی میں بھارت نے جنوری میں چار وفود بیرونی ملکوں کے دوروں پر روانہ کیے۔ مزید وفود کا سلسلہ ہنوز روز افزوں ہے۔
بھارت کے برعکس پاکستان کا معاملہ "ٹک ٹک دیدم دم نہ کشیدم" کا مصداق ہے۔ اب تک کوئی قابلِ ذکر کاوش سامنے نہیں آئی۔ او۔ آئی۔ سی کا بھی اجلاس بلانے کی توفیق نصیب نہیں ہوسکی۔ حزبِ اختلاف کی تمام پارٹیوں نے مرکزی حکومت کو فروری کے آغاز میں ایک اجلاس منعقدہ اسلام آباد میں مسئلہ کشمیر پر اپنی غیر مشروط حمایت اور تعاون کا یقین دلایا تھا۔ اگر حکومت سنجیدگی سے اس مسئلہ کو اُٹھاتی تو اب تک پوری دنیا میں ہمارے اعلیٰ سطحی وفود جا چکے ہوتے۔ شاید ہماری حکومت کو اس بات کا پوری طرح احساس ہی نہیں کہ کشمیر کی آزادی پر ہماری ملی بقا کا انحصار ہے۔
جب میں یہ سطور لکھ رہا تھا تو مجھے ایک دوست کا دوحہ (قطر) سے فون آیا۔ انہوں نے بتایا کہ پاکستان سے گلوکاروں اور رقاصاؤں کا ایک طائفہ قطر آرہا ہے۔ قطر میں مقیم پاکستانیوں نے اس پر سفارت خانہ پاکستان سے شدید احتجاج کیا ہے اور دو ہزار افراد نے دستخط کر کے محضر نامہ پیش کیا ہے، مگر سفارت کاروں کے

کانوں تک جوں نہیں رینگی ۔ اُن کا کہنا ہے کہ یہ تو پاکستان کی ثقافت کی ترویج کا ایک نادر موقع ہے ۔ ”عقل بسوخت زحیرت کہ ایں چہ بوالعجبیست“

بھارت جس طرح پاکستان ٹی وی کو بنیاد بنا کر حریت پسندوں کی برین واشنگ کر رہا ہے ۔ اسی طرح اس نے کئی اور منصوبے بھی مرتب کر لیے ہیں ۔ یہ منصوبے بھی انتہا خطرناک ہیں ۔

خود مختار کشمیر کا نعرہ

ایک سازش تو یہ ہے کہ کشمیر کی خود مختاری کا نعرہ لگایا جا رہا ہے پاکستان حکومت بھی ایسے عناصر کی حمایت کر رہی ہے جو خود مختاری کا پرچار کرتے ہیں ۔ ہر چند کہ مقبوضہ کشمیر کی تحریک آزادی الحاق پاکستان کے حق میں ہے اور کشمیریوں کی بھاری تعداد کی دلی خواہش ہے کہ وہ آزاد ہو کر پاکستان میں شامل ہوں گے ۔ اقوامِ متحدہ کی قرارداد میں بھی دو ہی متبادل ہیں (ا) پاکستان کے ساتھ الحاق (ب) بھارت کے ساتھ الحاق ۔ مگر یہ بات محتاجِ بیان نہیں کہ مسلمانوں کی آبادی جو تقسیمِ ملک کے وقت کشمیر میں ۸۰ فیصد کے قریب تھی اور اب بمشکل ۶۰ فیصد رہ گئی ہے ۔ اس کی وجوہات مختلف ہیں جن کی تفصیل کا موقع نہیں ۔ اب اگر غیر مُسلم آبادی پوری کی پوری بھارت کے حق میں رائے دے اور مُسلم آبادی آپس میں بٹ جائے تو اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ صورتِ حال کیا ہو گی ۔ خود مختار کشمیر کا نعرہ اندریں حالات تحریک کے لیے زہرِ قاتل ہے ۔

بھارت کی شاطرانہ چالیں

بھارت کی دوسری سازش یہ ہے کہ ان لیڈروں کو تشہیر کے ذریعہ پھر ابھارا جائے جنہیں مُسلم آبادی مسترد کر چکی ہے مگر جو بھارت کے لیے مفید خدمات سرانجام دے سکتے ہیں ۔ اس کی مثال ڈاکٹر فاروق عبداللہ اور ان جیسے لوگ ہیں ۔ اُن کو نظر بند کر کے یہ تاثر دیا جا رہا ہے کہ یہ بھی بھارت کے مخالف اور آزادی کے حق میں ہیں ۔ حالانکہ اُن کی بھارت نوازیاں کسی سے ڈھکی چھپی نہیں ہیں ۔ اس کے برعکس سید علی گیلانی جنہوں نے اپنی زندگی کے چودہ سال مختلف اوقات میں جیلوں میں گزارے ہیں انہیں ان دنوں گرفتار نہیں کیا گیا ۔ شیخ عبداللہ کو بھی بھارت نے پنڈت نہرو کے زمانے میں نظر بند کر کے ”شیرِ کشمیر“ بنایا تھا ۔ شیخ عبداللہ بھی غدار تھا اور اس کا بیٹا فاروق بھی ملتِ اسلامیہ کا غدار ہے ۔

حریت پسندوں میں سے بھی بعض ایسے لیڈروں کو جو دوسری یا تیسری صف کے قائدین

میں شمار ہوتے ہیں، بے پناہ پبلسٹی دی جا رہی ہے۔ وہ لیڈر اگرچہ تحریک سے مخلص اور وفادار ہیں مگر بھارتی پالیسی سازوں نے اپنے مخصوص مقاصد کی خاطر ان کو بڑھانا چڑھانا شروع کیا ہے۔ ایک حریت پسند لیڈر نے اپنے دوستوں کو یہ پیغام بھی بھیجا ہے کہ ذرائع ابلاغ میں اپنی تشہیر دیکھ کر انہیں خدشہ پیدا ہو گیا ہے کہ یا تو بھارت سرکار انہیں ختم کرنا چاہتی ہے یا انہیں تحریک سے برگشتہ اور باغی بنانا چاہتی ہے۔ اس حریت پسند نے اس عزم کا اظہار کیا کہ بھارتی حکومت انہیں راستے سے ہٹا تو سکتی ہے مگر ان کا راستہ بدل نہیں سکتی۔

فیصلہ کن معرکہ

پاکستانی قوم نے اس سے قبل جہادِ افغانستان میں جس خلوص اور وارفتگی کے ساتھ حصہ لیا تھا اب جہادِ کشمیر میں اس سے بھی زیادہ یکسوئی کے ساتھ اپنا فرض ادا کرنے کے لیے تیار ہے۔ ۵ فروری کو قوم نے کشمیر سے یک جہتی کا جو روح پرور منظر پیش کیا تھا وہ تاریخ میں ہمیشہ یادگار اور لازوال مثال کے طور پر زندہ رہے گا۔ جہادِ افغانستان میں اُس وقت کی حکومت نے بھی جوش و خروش کے ساتھ تعاون کیا تھا، مگر آج کی حکومت اس جوش و جذبے سے بالکل عاری نظر آتی ہے۔

ترس گئے ہیں کسی مردِ راہ داں کے لیے ۔۔۔ نشانِ راہ جو دکھاتے ہیں ستاروں کو

قوم کے ہر بہی خواہ کو یہ سوچ لینا چاہیے کہ اگر جہادِ کشمیر اس مرتبہ کامیابی سے ہمکنار نہ ہو سکا تو شاید پھر ایسا موقع صدیوں تک ہاتھ نہ آئے۔

کشمیری حریت پسند ہماری مدد کے مستحق بھی ہیں اور منتظر بھی۔ وہ سروں پر کفن باندھ کر میدان میں اُتر چکے ہیں۔ سروں کی فصل کٹوا رہے ہیں مگر مسلسل آگے بڑھ رہے ہیں۔ ان کے حوصلے بلند ہیں اور ان کی منزل واضح۔ ہم میں سے ہر ایک کے سوچنے کی بات یہ ہے کہ اس نازک اور فیصلہ کن مرحلے میں جہادِ کشمیر میں اس کا کتنا حصہ ہے؟ زبان، قلم، جیب سے بھی جہاد میں شرکت ہو سکتی ہے اور جان کا نذرانہ بھی اس کی ایک صورت ہے۔ ان لمحات میں غیر جانب داری کا معنی اسلام دشمنی اور فرار کا معنی تباہی ہے۔

گریز کشمکشِ زندگی سے مردوں کی ۔۔۔ اگر شکست نہیں ہے تو اور کیا ہے شکست

دین کی غربت اور تہذیبِ مغرب

جناب منیر احمد خلیلی صاحب

(۲)

پس چہ باید کرد | اس طبقے کو اس مشکل اور تکلیف دہ صورتِ حال سے خلاصی کے تین رستوں میں سے کوئی ایک اختیار کرنا ہوگا۔

پہلا رستہ تو یہ ہے کہ اسلام کا طوق گلے سے اُتار پھینکا جائے۔ اس پر کان ہی نہ دھرے جائیں۔ بتانے اور سکھانے والوں سے مُنہ پھیر لیا جائے۔ نہ تعلیماتِ دین سیکھی اور سُنی جائیں، نہ احکاماتِ اسلام پر عمل کی کوئی فکر و رغبت پالی جائے۔ سیدھے سیدھے طریقے سے کھُلے عام بے دینی اختیار کر لی جائے۔ جو چیز جو کام اور جو معاشرتی تقاضے اپنے مفاد میں ہوں اُنہیں اختیار کر لیا جائے، جو اپنی خواہشوں کی تکمیل میں رکاوٹ اور آزادانہ طرزِ زندگی کے منافی ہوں اُنہیں کھُلے طور پر رد کر دیا جائے۔ خدا کا خوف اور رسولؐ کا پاس و احساس ایک ہی جست میں دل و دماغ سے نکال دیا جائے، اور مادہ پرستی کو بطورِ دین اپنا لیا جائے۔ جدید تہذیب کی پیروی میں اتنی پیش رفت حاصل کر لی جائے کہ اُس کی ہر بُرائی کو بھی بھلائی باور کیا جائے۔ یہ کھُلا ارتداد ہے۔

بظاہر یہ آسان امر ہے لیکن ایسا کرتے ہوئے چاہیں نہ چاہیں یہ حقیقت بار بار ہمارے سامنے آتی ہے کہ کائنات میں کوئی پتا بھی امرِ ربی کے بغیر اور مشیتِ ایزدی کے خلاف حرکت نہیں کر رہا ہے۔ کائنات میں بکھرے ہوئے اَن گنت چھوٹے بڑے مظاہرِ فطرت اور خود انسان کی اپنی تخلیق اور نشوونما اور اعضاء و جوارح کا ہر عمل اُس طبعی قانون کے مطابق ہو رہا ہے جس کے شکنجے میں زمین و آسمان، ستارے اور کہکشاں، سمندر

اور پہاڑ، ہوا اور سورج، نباتات اور جمادات، ذی رُوح اور بے جان ہر چیز کو کس دیا گیا ہے۔ نہ زندگی اپنے اختیار میں ہے نہ موت سے مفر ہے۔ نہ بیماری پوچھ کر آتی ہے، نہ صحت اپنی مرضی سے مل سکتی ہے۔ رزق کی تقسیم کسی بالائی طاقت کے منشا کے مطابق ہو رہی ہے۔ عزت اور ذلت کسی قادر ہستی کے ہاتھ میں ہے۔ نوکری، عہدہ، منصب، حکومت، اقتدار سب کسی بڑی قوت اور قدرت والے نے اپنے قبضے میں رکھے ہوئے ہیں۔ جسے چاہتا ہے دیتا ہے، جس سے چاہتا ہے چھین لیتا ہے۔ اب اگر کوئی حصولِ دُنیا کے لیے دین گنوائے اور دُنیا بھی ہاتھ نہ آئے تو سوچنے کی بات ہے کہ یہ گھاٹے اور خسارے کا سودا ہے یا نفع کا؟ ظاہر ہے کہ اس سے بڑا کارِ زیاں کوئی نہیں ہوسکتا کہ دین کی قیمت پر دُنیا لینے نکلے اور دُنیا اس گراں قیمت پر بھی میسّر نہ آئے۔

دوسرا رویہ یہ ہے کہ دین کو ترک نہ کیا جائے۔ سُنا اور سمجھا جائے، اِس کا علم حاصل کیا جائے۔ اِس سے تھوڑی بہت عقیدت اور لگاؤ بھی ظاہر کیا جائے۔ لیکن اس کے ساتھ برتاؤ ایسا کیا جائے کہ جو فرمانِ خداوندی ہماری دلچسپیوں اور مفادات پر ضرب لگاتا ہو اُسے چُھپا دیا جائے۔ جو احکامِ الٰہی ہماری دُنیا داری کے رستے میں مانع ہوں اُنھیں کتابِ دل سے مٹا دیا جائے۔ سنانے والے سنانے سے اور سُننے والے عمل سے گریز کریں ___ جو حصۂ دین اچھا اور آسان لگے اُسے کسی قدر بروئے کار لے آئیں اور جو اجزائے دین مشکل اور کاروبارِ حیات پر چوٹ لگائیں انھیں پس پشت ڈال دیں۔ یہ روش پہلی سے بھی زیادہ خطرناک ہے۔ اِس کے مہلک ہونے پر تاریخِ ادیان گواہ ہے۔ پچھلے انبیاء کے قصص پڑھنے سے ہمارے سامنے یہی حقیقت سامنے آتی ہے کہ اُن کی قوموں نے بالکل یہ طرزِ عمل اختیار کیا تھا۔ خاص طور پر بنی اسرائیل کا چلن دینِ حق کے معاملے میں یہی تھا۔ قرآن اِس قوم کی اِس مجرمانہ سوچ اور ڈگر کے بارے میں بڑی وضاحت اور تفصیل کے ساتھ ہمیں بتاتا ہے۔

اَفَتُؤْمِنُوْنَ بِبَعْضِ الْكِتٰبِ وَتَكْفُرُوْنَ بِبَعْضٍ ۚ فَمَا جَزَآءُ مَنْ يَّفْعَلُ ذٰلِكَ مِنْكُمْ اِلَّا خِزْيٌ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۚ وَيَوْمَ الْقِيٰمَةِ يُرَدُّوْنَ اِلٰٓى اَشَدِّ الْعَذَابِ ۭ وَمَا اللّٰهُ بِغَافِلٍ

عَمَّا تَعْمَلُوْنَ ○ (البقرۃ - ۸۵)

"تم کتاب کے بعض حصوں پر ایمان لاتے ہو اور بعض سے انکار کرتے ہو؟ پھر تم میں سے جو لوگ ایسا کریں، ان کی سزا اس کے سوا اور کیا ہے کہ دُنیا کی زندگی میں بھی ذلیل و خوار ہو کر رہیں اور آخرت میں شدید ترین عذاب کی طرف پھیر دیئے جائیں۔ اللہ ان حرکات سے بے خبر نہیں ہے جو تم کر رہے ہو"

خدا کے دین اور کتاب ہدایت کے ساتھ مجرمانہ سلوک اور مُرتدانہ رویے کا یہ پہلا مرحلہ تھا جس کو بنی اسرائیل نے شعار بنایا۔ باکوئی بھی بار راہ اور باطل پسند گروہ بنا سکتا ہے عوام کا حال یہ ہوتا ہے کہ خواہشات نفسانی کے تابع، اغراض کے بندے اور ظن و گمان پر کاربند ہوتے ہیں۔

وَمِنْهُمْ أُمِّيُّوْنَ لَا يَعْلَمُوْنَ الْكِتٰبَ إِلَّآ أَمَانِيَّ وَإِنْ هُمْ إِلَّا يَظُنُّوْنَ ۔ (البقرہ - ۷۸)

"ان میں سے ایک (دوسرا) گروہ اُمیوں کا ہے جو کتاب کا تو علم رکھتے نہیں، بس اپنی بے بنیاد اُمیدوں اور آرزوؤں کو لیے بیٹھے ہیں اور محض وہم و گمان پر چلے جاتے ہیں"۔

عوام کے برعکس خواص جو کتاب سے تعارف و تعلق اور اُس کی تعلیمات سے آگاہی رکھتے تھے، کتاب کے جس حصے کو خلاف منشاء و مفاد پاتے اُسے ماننے سے انکار کر دینے، اُس کے اظہار و بیان اور قراءت و سماعت کا سلسلہ بند کر کے اپنی طرف سے اُسے چھپا دینے تھے۔ جن حصوں پر عمل سے انہیں اپنی بڑائی قائم کرتے اور دُنیوی نفع کی توقع ہوتی اُسے اختیار کر لیتے تھے۔ لیکن چونکہ حقیقت کتاب میں موجود رہتی اور احتمال ہوتا کہ کبھی نہ کبھی ان کے سامنے آ کر ان کے مکروہ چہرے اپنے آئینے میں دکھا دے گی۔ چنانچہ انہوں نے اس کا علاج یہ کیا کہ حق پر پردے ڈال کر چھپا دیا، کہیں اُسے تاویلوں، بحثوں اور منطق کی موشگافیوں کے ذریعے اُس میں ایسا تغیّر و تبدّل پیدا کر دیا کہ حق پر باطل اور باطل پر حق کا رنگ چڑھا دیا۔

يٰۤاَهْلَ الْكِتٰبِ لِمَ تَلْبِسُوْنَ الْحَقَّ بِالْبَاطِلِ وَتَكْتُمُوْنَ الْحَقَّ وَاَنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ○ (اٰلِ عمران - ۷۱)

"اے اہلِ کتاب! کیوں حق کو باطل کا رنگ چڑھا کر مشتبہ بناتے ہو؟ کیوں جانتے بوجھتے حق کو چھپاتے ہو؟"

تلبیسِ باطل اور کتمانِ حق پر بھی بات ختم اور معاملہ جا کر رُک نہ گیا۔ بلکہ اس سے آگے بڑھ کر اُن کے مذہبی رہنماؤں نے اللہ کے حلال کیے ہوئے کو حرام اور حرام کو حلال ٹھہرانے کا گھناؤنا کاروبار شروع کر دیا۔ من مانی اور خود ساختہ باتوں کو وہ کتاب اللہ کے طور پر پیش کرنے اور اس خدمت کا باقاعدہ معاوضہ وصول کرنے لگ گئے۔ اس کام کے عوض ان کی جو کمائی ہوتی اُس سے وہ اپنی دُنیا کی تعمیر اور مادی خواہشات کی تکمیل کرتے اور دین و کتاب کا حلیہ بگاڑتے رہے۔ اسی روش کے باعث وہ اللہ کے غضب کا شکار ہوئے۔ پھر ہمیشہ ہمیشہ کے لیے انھیں اُس شرف و فضیلت سے محروم کر دیا گیا جو اللہ نے انھیں دُنیا کی دوسری قوموں پر عطا کر رکھی تھی۔

ہم میں سے اگر ایک طبقہ اُسی طرزِ عمل کو اختیار کرنے کی خواہش اور کوشش کرتا ہے تو اُسے جان لینا چاہیے کہ اُسے ذہنیت اور عمل کے اعتبار ہی سے نہیں بلکہ انجام اور نتیجے کے لحاظ سے بھی بنی اسرائیل کے ساتھ کھڑا کیا جائے گا۔ ایسے گروہ کو اللہ تعالیٰ کے اس انتباہ کو پیشِ نظر رکھ لینا چاہیے کہ:

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَنْ يَّرْتَدَّ مِنْكُمْ عَنْ دِيْنِهٖ فَسَوْفَ يَاْتِى اللّٰهُ بِقَوْمٍ يُّحِبُّهُمْ وَيُحِبُّوْنَهٗۤ اَذِلَّةٍ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ اَعِزَّةٍ عَلَى الْكٰفِرِيْنَ يُجَاهِدُوْنَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَلَا يَخَافُوْنَ لَوْمَةَ لَاۤئِمٍ ؕ ذٰلِكَ فَضْلُ اللّٰهِ يُؤْتِيْهِ مَنْ يَّشَآءُ ؕ وَاللّٰهُ وَاسِعٌ عَلِيْمٌ ○ (المائدہ - ۵۴)

"اے لوگو! جو ایمان لائے ہو، اگر تم میں سے کوئی اپنے دین سے پھرتا ہے (تو پھر جائے)، اللہ بہت جلد بہت سے لوگ ایسے پیدا کر دے گا جو اللہ کو

محبوب ہوں گے اور اللہ ان کو محبوب ہوگا، جو مومنوں پر نرم اور کفار پر سخت ہوں گے جو اللہ کی راہ میں جدوجہد کریں گے اور کسی ملامت کرنے والے سے نہ ڈریں گے۔ یہ اللہ کا فضل ہے، جسے چاہتا ہے عطا کرتا ہے۔ اللہ وسیع ذرائع کا مالک ہے اور سب کچھ جانتا ہے۔"

مومنوں کو اُس مغضوب اور ملعون قوم جیسا رویہ رکھنا تو درکنار، اُس کے افراد سے دوستی کا تعلق رکھنے سے بھی سختی سے منع کیا گیا ہے۔ چنانچہ فرمایا گیا:

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَتَّخِذُوا الَّذِينَ اتَّخَذُوا دِينَكُمْ هُزُوًا وَلَعِبًا مِّنَ الَّذِينَ أُوتُوا الْكِتَابَ مِن قَبْلِكُمْ وَالْكُفَّارَ أَوْلِيَاءَ ۚ وَاتَّقُوا اللَّهَ إِن كُنتُم مُّؤْمِنِينَ ۝

(المائدہ ۵-۵۷)

"اے لوگو! جو ایمان لائے ہو، تمہارے پیش رو اہل کتاب میں سے جن لوگوں نے تمہارے دین کو مذاق اور تفریح کا سامان بنا لیا ہے انہیں اور دوسرے کافروں کو اپنا دوست اور رفیق نہ بناؤ۔ اللہ سے ڈرو اگر تم مومن ہو۔"

جب یہ طے ہے کہ پہلی دونوں روشیں ہمارے لیے نہ گوارا ہیں نہ ممکن۔ ہم اسلام جیسی عظیم دولت کو گنوانے اور سب سے بڑی نعمت کو ضائع کرنے کے جرم کا ارتکاب نہیں کر سکتے۔ اِس کی تعلیمات کو چھپا کر انہیں جھوٹ اور باطل کا رنگ چڑھا اور اِس کی اصل کو کسی نقل سے بدل بھی نہیں سکتے۔ پھر ہمیں لازماً ایک تیسری صورت اختیار کرنی ہوگی: وہی مناسب اور صحیح ہے اور اسی میں ہمارے مسائل کا حل اور مشکلات سے نکلنے کا راستہ ہے۔ یہ صورت اختیار کرنے والے معاشرے میں تعداد اور قوت واثر کے لحاظ سے خواہ قلیل و کمزور ہی ہوں، انہیں اپنے مفاسد ماحول میں اجنبی اور انوکھے لوگ ہی تصور کیا جائے لیکن بَدَأَ الْاِسْلَامُ والی حدیث کے آخری جملے میں انہی لوگوں کے شرف و عظمت کی خبر دی گئی ہے۔ فرمایا فَطُوبٰى لِلْغُرَبَاءِ ناسازگار اور دین سے بیزار ماحول میں دعوتِ حق کا علم اٹھانے والے مبارک ہیں، ان کو خوشخبری ہو۔ یہی لوگ ہیں جنہیں اللہ محبوب رکھتا ہے اور جو اللہ کے ساتھ محبت و اطاعت کا تعلق رکھتے ہیں۔ انہی نے

والوں کی پھبتیوں اور گالیوں کی کوئی پروا نہیں ہوتی۔ وہ اللہ کی محبت میں اپنے وقت کے معاندین اور ظالمین کے سارے تیرِ ستم اپنے سینے پہ کھاتے اور ہر زخم پہ مُسکراتے اور جہاد کی راہ پہ آگے بڑھتے رہتے ہیں۔

زمانہ ہمارا ساتھ دینے پہ آمادہ نہیں ہے۔ حالات موافق نہیں ہیں، مفادات کو خطرہ ہے، تعلقات میں رخنے پیدا ہو جانے کا ڈر ہے، رشتے ناطے ہونے میں رکاوٹیں پیدا ہو رہی ہیں، غرض حالات خواہ کیسے ہی سنگینی دکھا رہے ہوں، لیکن ہمارا کام ہے کہ پوری وفاداری اور سعادت مندی اور شعور کی پوری گہرائی کے ساتھ دین سے اپنا محکم و مضبوط تعلق قائم کریں۔ اِس سے انحراف اور بُعد کی کسی خفیف صورت کو بھی اختیار نہ کریں۔ اللہ تعالیٰ اور رسولِ پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت کو اپنا شیوہ بنائیں۔ دین سے تعلق کا سودا ہمیں ہر حال میں اور سراسر منافع کا سودا محسوس ہو اور اسی تعلق میں دُنیا و آخرت کی سرفرازیاں اور کامیابیاں مضمر دکھائی دیں۔ اس تعلق پہ ہمیں کوئی پچھتاوا اور احساسِ زیاں نہ ستائے۔ اللہ کی قدرت اور کارسازی پہ ہمارا ایمان ہمارے لیے مشکلات و مصائب اور مسائل کے خارزاروں اور اندھیروں میں مشعلِ راہ کا کام دے۔ ہمیں یہ یقین ہو کہ کسی طور پہ بھی اس راہ میں ہمارے لیے خسارہ نہیں ہے۔ کتاب اللہ کے ساتھ ہمارا تمسک کسی معمولی سے ضعف سے بھی پاک ہو۔ ہمیں احساس و یقین ہو کہ زندگی کے کٹھن مراحل میں ٹھیک ٹھیک اور منزل رسا رہنمائی صرف اور صرف قرآنِ حکیم ہی سے حاصل ہو سکتی ہے۔ یہ حقیقت ہماری آنکھوں کے سامنے رہے کہ مسائل و فتن سے نکلنے کے لیے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمارے لیے جو مخرج تجویز فرمایا وہ قرآن ہے۔ فرمایا "تم پر فتنے رُونما ہوں گے"۔ صحابہؓ نے عرض کیا: "یارسول اللہ ان سے نجات کی راہ کون سی ہے؟" فرمایا: "کتاب اللہ! اِس میں تمھارے بعد میں پیش آنے والے واقعات بھی ہیں اور تم سے پہلے کے حالات بھی اور وہ فیصلے اور احکام بھی جو تمھارے لیے ضروری ہیں"۔ (ترمذی)

قرآن ہمارے لیے مسائل و مشکلات میں ہمارے لیے رہنمائی کرتے ہوئے جو راستہ ہمیں دکھاتا ہے وہ یہ ہے کہ ایمان و اطاعت اور یقین و تقویٰ کی رسّی کو مضبوطی سے

مخلص رکھیں۔ اپنے مسائل سے نپٹنے اور معاملات کو درست کرنے کے لیے چھوٹے اور کمزور سہارے تلاش کرنے کے بجائے اصل، سب سے بڑا اور سچا سہارا اللہ تعالیٰ کو تصور کریں، جس نے خود فرمایا ہے:

أَلَيْسَ اللّٰهُ بِكَافٍ عَبْدَهُ ۖ وَيُخَوِّفُونَكَ بِالَّذِينَ مِن دُونِهِ ۚ وَمَن يُضْلِلِ اللّٰهُ فَمَا لَهُ مِنْ هَادٍ ۝ وَمَن يَهْدِ اللّٰهُ فَمَا لَهُ مِن مُّضِلٍّ ۗ أَلَيْسَ اللّٰهُ بِعَزِيزٍ ذِي انتِقَامٍ ۝

"اے نبیؐ! کیا اللہ اپنے بندے کے لیے کافی نہیں ہے؟ یہ لوگ اس کے سوا دوسرے سے تم کو ڈراتے ہیں۔ حالانکہ اللہ جس کو گمراہی میں ڈال دے اسے کوئی راستہ دکھانے والا نہیں ہے۔ اور وہ جسے ہدایت دے، اسے بھٹکانے والا بھی کوئی نہیں۔ کیا اللہ زبردست اور انتقام لینے والا نہیں ہے" (الزمر۔ ۳۶، ۳۷)

اس اللہ سے بڑھ کر اور کون سہارا اور مددگار ثابت ہو سکتا ہے جس نے ساٹھ سے زیادہ مرتبہ توکل کا ذکر کیا اور اس کی حقیقت اپنی کتاب حکیم میں بیان کی ہے۔ جس نے منکرین حق کے انکار و مخالفت کے جواب میں اپنے نبیؐ کو اسی توکل کی تائید اور یہ الفاظ سکھائے۔

فَإِن تَوَلَّوْا فَقُلْ حَسْبِيَ اللّٰهُ لَا إِلٰهَ إِلَّا هُوَ ۖ عَلَيْهِ تَوَكَّلْتُ ۖ وَهُوَ رَبُّ الْعَرْشِ الْعَظِيمِ ۝ (التوبہ۔ ۱۲۹)

"اگر یہ لوگ تم سے منہ پھیرتے ہیں تو اے نبیؐ، ان سے کہہ دو کہ میرے لیے اللہ بس کرتا ہے، کوئی معبود نہیں مگر وہ، اسی پر میں نے بھروسہ کیا اور وہ مالک ہے عرشِ عظیم کا"

توکل علی اللہ کی اس عظیم خصوصیت کے ساتھ خدا ترسی اور خوف و خشیت کا جوہر ملتا ہے تو مومن کو مشکلات کی تنگ گھاٹیوں سے نکال کر اللہ تعالیٰ وسعتوں اور فراخیوں سے دوچار کرتا ہے۔ منفی حالات اور گوناگوں اندیشوں کے بادل چھٹنے لگتے ہیں۔ روزی کی الجھنیں رفع ہو جاتی ہیں۔ مسائل کے حل از خود نکلتے دکھائی دینے

ہیں۔ پریشان کُن معاملات اللہ کی قدرت سے سلجھنے لگتے ہیں اور اطمینان وسکون کے دروازے کھل جاتے ہیں۔

وَمَنْ يَّتَّقِ اللّٰهَ يَجْعَلْ لَّهٗ مَخْرَجًاۙ وَّيَرْزُقْهُ مِنْ حَيْثُ لَا يَحْتَسِبُ ؕ وَمَنْ يَّتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ فَهُوَ حَسْبُهٗ ؕ اِنَّ اللّٰهَ بَالِغُ اَمْرِهٖ ؕ قَدْ جَعَلَ اللّٰهُ لِكُلِّ شَيْءٍ قَدْرًا ۝ (الطلاق-۳)

"جو کوئی اللہ سے ڈرتے ہوئے کام کرے گا اللہ اس کے لیے مشکلات سے نکلنے کا کوئی راستہ پیدا کر دے گا۔ اور اُسے ایسے راستے سے رزق دے گا جدھر اُس کا گمان بھی نہ جاتا ہو۔ جو اللہ پر بھروسہ کرے اُس کے لیے وہ کافی ہے۔ اللہ اپنا کام پورا کر کے رہتا ہے۔ اللہ نے ہر چیز کے لیے ایک تقدیر مقرر کر رکھی ہے۔"

اِنَّهٗ مَنْ يَّتَّقِ وَيَصْبِرْ فَاِنَّ اللّٰهَ لَا يُضِيْعُ اَجْرَ الْمُحْسِنِيْنَ ۝ (یوسف-۹۰)

"حقیقت یہ ہے کہ اگر کوئی تقویٰ اور صبر سے کام لے تو اللہ کے ہاں ایسے نیک لوگوں کا اجر مارا نہیں جاتا۔"

پاکستان میں انگریزی ذریعۂ تعلیم کی ترویج

اور

اس کے نتائج

جناب سمیّہ طفیل صاحبہ - ایم اے ایجوکیشن (پنجاب)

لفظ تعلیم کے لغوی معنی معلومات بہم پہنچانا اور علم سے مستفید کرنا ہے۔ تبدیلی ذہن کا عمل بھی تعلیم کے ذریعہ سے ہی ممکن ہوتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ہر قوم اپنے نظریہ حیات کو آئندہ نسلوں تک منتقل کرنے کا کام تعلیم کے ذریعہ سے ہی سرانجام دینے کا خاص اہتمام کرتی ہے۔

گویا کہ تعلیم ایک ایسا مسلسل جاری رہنے والا عمل ہے جس کے ذریعہ سے ایک قوم اپنا معاشرتی اور تہذیبی تسلسل برقرار رکھتی ہے۔ اپنے تجربات اور معلومات کو آئندہ نسلوں تک منتقل کرتی ہے اور مادّی، معاشی، اخلاقی اور سماجی تمام علوم کو ہم آہنگ کرتی ہے۔ فی الحقیقت تعلیم ہی وہ عمل ہے جس کے ذریعہ سے انسان کی روحانی، عقلی اور جسمانی قوتوں کو جلا ملتی ہے۔ نیز اس کی شخصیت کو ایسے متوازن طریق پر نشوونما پانے میں مدد ملتی ہے کہ وہ ملک و ملت، مذہب و معاشرت، غرضیکہ پوری نوعِ انسانی کے لیے ایک مفید کارکن کی حیثیت اختیار کر لیتا ہے۔

ہمارا ملک پاکستان جو ۱۹۴۷ء میں بے بہا قربانیوں کے بعد اس مقصد کے حصول کے لیے وجود میں لایا گیا تھا کہ اس خطۂ ارض پر خالقِ کائنات کی حاکمیت کے تصور پر مبنی

نظامِ حکمرانی قائم ہو، نیز یہاں مسلمان اپنی انفرادی اور اجتماعی زندگیوں کو قرآن وسنّت کی تعلیمات اور ان کے تقاضوں کے مطابق بسر کرسکیں۔ افسوس ہے کہ قیامِ پاکستان کے ۴۳ سال گزرنے کے باوجود ان میں سے کوئی مقصد بھی حاصل نہ ہوسکا۔ اور وہ خواب جس کی تعبیر حاصل کرنے کے لیے قائداعظمؒ نے انتھک کوششیں، اس قدر محنت اور بے لوث قربانی سے کام لیا، اب نئے حکمرانوں کو اس مقصد کو یاد دلانے کی کوششیں کرنی پڑ رہی ہیں اور قائداعظمؒ کا پاکستان جو اعلیٰ نظریات کو پروان چڑھانے اور دنیا کو انصاف وانسانیت کا اعلیٰ ترین نمونہ دکھانے کے لیے بنایا گیا تھا وہ اپنے وجود کی بقا وحفاظت کا بھی انتظام نہیں کر پا رہا ہے۔ اس کی بے بسی کی حد یہ ہے کہ وہ اپنے ایک بازو (مشرقی پاکستان) سے محروم ہو چکا ہے۔ اور اب اس کے ایک دوسرے حصہ پر بھی اسی دشمن کی نظر ہے۔ اور یہ باقی ماندہ پاکستان نسلی، لسانی، علاقائی اور گروہی تعصبات کا شکار ہو رہا ہے۔ ملک میں بدعنوانی، بدامنی، انتشار، ضمیر فروشی اور بدترین جرائم کا طوفان برپا ہے اور قومی یکجہتی کے آثار نمودار ہونے کے بجائے انتشار کے عام ہونے کے مواقع زیادہ نظر آرہے ہیں۔

اِن حالات کی پیداوار کے بارے میں یہ کہنا بے جا نہیں ہوگا کہ موجودہ انتشار، افراتفری، قومی عدم یکجہتی، بدامنی، ضمیر فروشی اور بے حسی کی عام وجہ ملک کے حکمرانوں کی ہوسِ اقتدار اور اس سے ہر قیمت پر چمٹے رہنے کی خواہش اور بعض دوسرے اسباب بھی ہیں۔ لیکن سب سے بنیادی اور مرکزی وجہ ملک کے نظامِ تعلیم سے متعلق ہر حکومت کی مجرمانہ غفلت اور دانستہ و نادانستہ عدم توجہی بھی ہے۔

گذشتہ ۴۳ سال کے دوران پاکستان میں مختلف حکمرانوں نے ماہرینِ تعلیم سے نظامِ تعلیم سے متعلق متعدد اسکیمیں اور نئی نئی تعلیمی پالیسیاں تو وضع کروائیں، لیکن ان میں سے کسی پر بھی عمل درآمد کی نوبت نہ آئی۔ ان تعلیمی پالیسیوں اور کمیشنوں کی رپورٹوں کی سفارشات کو فائلوں اور الماریوں کی زینت بنائے رکھا اور عملاً نہایت احتیاط کے ساتھ اُسی تعلیم اور تعلیمی ماحول اور انداز واطوار کو برقرار رکھتے اور پروان چڑھانے

کی روش جاری رکھی جو طلبہ کے ذہن کو میکالے کی تعمیر و ترویج کردہ چار دیواری کے اندر ہی بند رکھے اور ان کے اندر وہ آگہی اور شعور نہ پیدا ہونے دے جو مسلسل طالب علم کے اندر علم کی روشنی سے سیراب ہونے کے شوق کو دو چند کرتا رہتا ہے اور انہیں اپنے علم کو عمل میں لانے پر ابھارتا ہے، ترقی کی راہیں کھولتا ہے اور راہیں آسان کرنے میں مددگار ہوتا ہے۔ ایسی ترقی جو بنی نوع انسان کی فلاح کے لیے ہو۔

یہ ایک بدیہی حقیقت ہے کہ تعلیم میں زبان بنیادی اور فیصلہ کن کردار ادا کرتی ہے۔ یہ بات بھی اظہر من الشمس ہے کہ تعلیمی عمل میں تعلیم کی زبان جس قدر زیادہ قابلِ فہم ہوگی اسی قدر تعلیم زیادہ مؤثر اور نتیجہ خیز ہوگی۔ یہی وجہ ہے کہ کسی بھی نظامِ تعلیم میں ذریعۂ تعلیم کا قابلِ فہم ہونا بنیادی اہمیت رکھتا ہے۔ کیونکہ زبان محض افراد کے درمیان رابطہ کا کام انجام نہیں دیتی، بلکہ وہ اس قوم کی ثقافت اور نظریہ و اقدارِ حیات کی عکاس اور علمبردار بھی ہوتی ہے۔ اسی لیے کسی زبان کی تعلیم سے اس زبان کی ثقافت اور نظریات و تصورات کی بھی منتقلی آپ سے آپ (AUTOMATICALLY) عمل میں آتی ہے۔

پاکستان کی قومی زبان اُردو ہے اور ملک کے طول و عرض میں آبادی کی اکثریت کے لیے یہی زبان قابلِ فہم ہے۔ چنانچہ تحریک پاکستان کے دوران ہی ساری قوم اُردو کو قومی زبان کے طور پر قبول کر چکی تھی اور قیام پاکستان کے بعد اسی کو قومی زبان قرار بھی دیا گیا۔ اس لیے اُردو زبان کو ہی ملک میں ذریعہ تعلیم بننے کا حق حاصل تھا اور ہے۔ لیکن بدقسمتی سے ہمارے ہاں مختلف اندرونی اور بیرونی سازشوں اور ریشہ دوانیوں کی وجہ سے اُردو کو اس کا اصل مقام حاصل نہیں ہو سکا۔ اور ایک اجنبی زبان کو مسلسل ملک اور قوم اور اس کی نئی نسلوں پر مسلط رکھا گیا، جو ملک کی ۹۵ فیصد آبادی کے لیے ناقابلِ فہم ہے۔ وقتاً فوقتاً تعلیمی پالیسیوں کے ذریعے اُردو زبان کو مکمل طور پر ذریعۂ تعلیم بنانے کے منصوبے ضرور بنائے گئے۔ اور ۱۹۷۳ء کے آئین میں بھی پندرہ سال کے اندر اندر مکمل طور پر اُردو زبان کو ذریعہ تعلیم اور دفتری زبان بنانے کے لیے باقاعدہ شق موجود ہے۔ لیکن ابھی تک ہنوز قریباً وہی صورتِ حال ہے جو قیام پاکستان کے وقت تھی۔

مزید برآں ۱۹۸۹ء میں نئی حکومت کی تعلیمی پالیسی کے متعلق دوبارہ تمام پرائیویٹ اسکولوں کو ذریعۂ تعلیم اردو زبان کے بجائے انگریزی کو اختیار کرنے کی اجازت دے دی گئی ہے۔ بلکہ سرکاری تعلیمی اداروں میں تو پہلی جماعت سے طلبا کو انگریزی زبان لازمی مضمون کی حیثیت سے پڑھانے کے احکامات جاری کر دیئے گئے ہیں۔ اس طرح سے موجودہ حکومت نے جو منتخب اور جمہوری حکومت ہونے کی دعویدار ہے، اُس نے تو جمہور نوازی اور حب الوطنی کی اپنی اس موجودہ تعلیمی پالیسی سے ایسی مثال قائم کی ہے کہ وہ برطانیہ کی موجودہ انگریزی حکومت تو درکنار برّصغیر پاک و ہند کے گورا قبرستانوں میں دفن انگریز بھی انہیں داد دے رہے ہوں گے کہ بے نظیر نے ان سے بڑھ کر انگریزی زبان کی عقیدت و محبت میں ایسا اقدام کیا ہے، جس سے بلا شک و شبہ انگریزوں کی جانشینی کا ایسا حق ادا کیا جائے گا کہ بے چارے انگریز بھی یہ کارنامہ سرانجام نہ دے پاتے۔ یہ الگ بات ہے کہ اس سے ملک و ملت کے نونہالوں کے ذہنی فکر و عمل، اور نظریہ حیات کے متعلق ان کے تصور و عمل دیوالیہ ہونے میں کوئی کسر نہیں رہ جائے گی۔ لیکن یہی تو لارڈ میکالے کے نظامِ تعلیم کا منتہا نے مقصود تھا۔

تاہم خدا کا شکر ہے کہ صوبہ پنجاب کی حکومت نے اس حکم پر عملدرآمد سے انکار کر دیا ہے۔ لیکن افسوس کی بات یہ ہے کہ پرائیویٹ اداروں نے دوبارہ انگریزی زبان کو ذریعۂ تعلیم بنا لیا ہے۔ اس صورتِ حال میں ہمارا نظامِ تعلیم جو پہلے ہی سے بے مقصدیت کی وجہ سے عجیب رنگا رنگی اور بے رنگی کا شکار رہا۔ تعلیمی اداروں میں طلبہ کے ذہنوں کو مزید کشمکش کا شکار کر دے گا۔

آیئے اب ہم انگریزی زبان کو ملک میں ذریعۂ تعلیم بنانے کے مفید اور مضر نتائج کا مختلف پہلوؤں سے جائزہ لے کر دیکھیں کہ اس سے ملک اور قوم اور آئندہ نسلوں کو فائدہ حاصل ہوگا یا نقصان ہی نقصان ہوگا۔

انگریزی کو ذریعہ تعلیم بنانے کے پس پشت درج ذیل محرکات نظر آتے ہیں:

تعلیمی محرکات | ہم دیکھتے ہیں کہ ہر ترقی یافتہ ملک نے اپنے طالب علموں کو اپنی ہی

زبان میں تعلیم دے کہ ترقی کی منزلیں طے کیں۔ لیکن پاکستان میں ترقی کے لیے انگریزی زبان کو نافذ کرنا ضروری سمجھ لیا گیا ہے۔ حالانکہ یہ معلوم ہونا چاہیے کہ اس ذریعۂ تعلیم نے آج تک کتنے کام کے آدمی پیدا کیئے ہیں یا صرف انگریز کے نوکر؟ اس تجویز کے پس پردہ جو محرکات سمجھ میں آتے وہ یہ ہیں:

۱۔ طبقاتی نظامِ تعلیم کو فروغ دینا۔

۲۔ نصاب میں بیان کردہ نظریات و افکار کی اصل رُوح سے محروم رکھنا۔

۳۔ طلبہ کے فہم و ادراک کی قوت کو کند کرنا۔

۴۔ حصولِ تعلیم کے اصل مقاصد کے احساس کو ختم کرنا۔

۵۔ تعلیمی نظام کو (WESTERNIZED) کرنے کے عمل کو تیز کرنا۔

۶۔ طلبہ و اساتذہ میں سطحی علم کو فروغ دینا، کیونکہ طلبہ جب غیر زبان میں تعلیم حاصل کرتے ہیں تو انہیں عموماً اپنا زیادہ وقت محض انگریزی زبان کو سیکھنے اور اس کا فہم حاصل کرنے میں صرف کرنا پڑتا ہے۔ جو وقت وہ دیگر علوم و فنون کو سیکھنے میں صرف کر سکتے تھے۔ حقیقت میں یہ ایک بہت دُور رس قدم ہے کہ طلبہ محض ایک زبان کو سیکھنے پر اپنی وہ صلاحیتیں خرچ کر دیں جو وہ سائنس و ٹیکنالوجی اور دیگر جدید علوم سیکھنے پر صرف کر سکتے تھے۔

معاشرتی محرکات: ہر محبِ وطن پاکستانی ملک میں عدم یک جہتی اور انتشار کی فضا سے خائف ہے۔ ان حالات میں تعلیم قومی یک جہتی کو پروان چڑھاتے میں بنیادی کردار ادا کر سکتی تھی۔ لیکن افسوسناک امر تو یہ ہے کہ انگریزی زبان کے فروغ نے طبقاتی نظام کو استحکام ہی دیا ہے اور انگریزی ذریعہ تعلیم کو جاری رکھنے کے عمل نے معاشرے میں موجودہ طبقات کے فاصلوں کو مزید گہرا کرنے میں مدد دی ہے۔ یہ وہ ذریعہ تعلیم ہے جو ایسے کالے انگریز پیدا کرنے میں کامیاب ہوا ہے جو گورے انگریزوں سے بڑھ کر انگریزی زبان سے محبت کرنے والے ہیں۔ اور اب وہ اسے اس ملک کی قومی زبان بنانے کے لیے ہاتھ پاؤں مار رہے ہیں۔ ہمارے نزدیک انگریزی زبان کو بحیثیت ذریعۂ تعلیم کے جاری رکھنے کے درج ذیل معاشرتی محرکات ہیں:

۱۔ طلبہ میں مغربی ثقافت کو فروغ دے کر اسلامی ثقافت اور نظریۂ حیات سے دُور کرنا۔

۲۔ مُلک میں معاشرتی، سماجی سطح پر عدم استحکام اور عدم یک جہتی کو فروغ دینا۔

۳۔ مُلک کو لسانی بنیادوں پر مزید نسلی منافرت کا شکار کرنا۔ خاص کر انگریزی زبان کے SYMBOL OF SOCIAL STATUS کو KNOW HOW کے طور پر پیش کرنا اور فروغ دینا۔

سیاسی محرکات پاکستان اسلام کے نام پر وجود میں آیا۔ قیامِ پاکستان کے وقت اس بات پر کوئی اختلاف نہ تھا۔ لیکن بعد میں سیاسی نظریات کی بھرمار نے پاکستان کو اس کے قیام کے اصل مقاصد سے دُور کر دیا۔ اس کی دیگر کئی وجوہات میں سے ایک بڑی وجہ انگریزی ذریعۂ تعلیم کو جاری رکھنا ہے۔ اس وجہ سے جہاں مغربی نظریات کو تعلیم میں فروغ حاصل ہوا ہے، وہاں مُلک میں سیاسی عدم استحکام کو بھی فروغ ملا ہے۔ اِس ذریعۂ تعلیم سے مغرب زدہ نوکری پیشہ لوگ PRO-WEST BUREAUCRATES پیدا ہوئے ہیں۔ جنہوں نے اپنے ذاتی مفاد کو مُلک کی فلاح اور ترقی پر مقدم ہی جانا ہے۔ نیز درج ذیل اُمور سیاسی محرکات کے ضمن میں اہم ہیں:

انگریزی ذریعۂ تعلیم کو مُلک میں فروغ دے کر

۱۔ مُلک میں سیکولرزم کو فروغ دینا۔

۲۔ اسلامی نظامِ حکومت کی بجائے مغربی جمہوری نظام کے نظریہ کو قبولِ عام بنانا۔

۳۔ پاکستان میں اپنے ہی شہریوں کے ذریعہ سے انگریزوں کے مفادات کا تحفظ کرنا، نیز ان کے تشنہ مقاصد کو پایۂ تکمیل تک پہنچانے کی راہیں ہموار کرنا۔

۴۔ عوام کے اندر شعور اور احساس کو پیدا ہونے سے روکنا تاکہ وہ برسرِاقتدار طبقہ کے بُرے اور غلط اقدامات کو سمجھ ہی نہ سکیں۔

معاشی محرکات پاکستان معاشی وسائل سے مالا مال ہے۔ محض ان وسائل کو

استعمال کرنے کے لیے صحیح منصوبہ بندی کی ضرورت ہے جس کی پاکستان میں کمی ہے اور انگریزی ذریعۂ تعلیم کو فروغ دینے کا اصل محرک بھی یہ ہے کہ تعلیم کا حصول مشکل ہوگا تو تعلیم کم سے کم فروغ پائے گی۔ انگریزی ذریعۂ تعلیم کے اداروں میں فیسیں اتنی زیادہ ہوتی ہیں کہ عام انسان ان اداروں میں تعلیم حاصل کرنے کے بارے میں سوچ بھی نہیں سکتا۔ اس ذریعۂ تعلیم کے فروغ نے تعلیم کو ایک منافع بخش کاروبار کی شکل دے دی ہے۔ حالانکہ مسلم تاریخ اس بات کی گواہ ہے کہ تعلیم ہمیشہ حکومت کی ذمہ داری رہی ہے اور اس سلسلے میں فیس کا تصور نہ تھا۔ آج کے دینی مدارس اسی نظامِ تعلیم کے باقیات ہیں اور تمام اخراجاتِ تعلیم خود برداشت کرتے ہیں۔

نیز پاکستان کی ۷۰ فیصد آبادی دیہات میں رہتی ہے جو بیشتر ان پڑھ ہے اور زراعت کے پیشہ سے وابستہ ہے اور ملک کی معیشت کی ریڑھ کی ہڈی کی حیثیت رکھتی ہے۔ وہ انگریزی زبان سے نابلد ہے۔ ان کے لیے پیداوار اور تقسیم کے لیے جدید طریقۂ کار کو جاننا اپنی زبان میں سہل ہوتا ہے۔ اگر تعلیم اپنی زبان میں دی جائے گی تو اس سے ملک میں ترقی کی راہیں زیادہ کھلیں گی۔ معیشت کمزور نہیں، مستحکم ہوگی۔ صرف ضرورت اس امر کی ہے کہ جدید علم کو حاصل کرنے کے لیے ایسے ترجمہ کے مراکز وجود میں لائے جائیں جو علم کو فوری ملکی زبان میں ترجمہ کر کے بلا تاخیر پورے ملک میں پھیلانے کے لیے مؤثر طور پر کام کریں۔

مذہبی محرکات

ہر زبان اپنے بولنے والی قوم اور اس کے افراد کی ثقافت اور نظریات کی علمبردار ہوتی ہے۔ چنانچہ محض کسی زبان کی تعلیم دینے یا اُسے ذریعۂ تعلیم کے طور پر اختیار کر کے فطری طور پر اسی زبان کو بولنے والی قوم کی ثقافت اور نظریات کو پروان چڑھایا جائے گا۔ بخلاف اس کے انگریزی زبان کو بحیثیت ذریعۂ تعلیم کے جاری رکھنے سے اسلامی نظریۂ حیات اور ثقافت تو نہیں پھلے پھولے گی۔ یقیناً ایک صاحبِ عقل و دانش رکھنے والا فرد بخوبی سمجھ سکتا ہے کہ انگریزی ذریعۂ تعلیم کو جاری رکھ کر محض مغربی مادہ پرستانہ نظریۂ حیات اور ثقافت کو پروان چڑھایا جا سکتا ہے۔ یوں اسلام

کی جانب رغبت کو کم کر کے اسلامی نظامِ تعلیم کے تصوّر کو عملاً بے معنی ثابت کرنے کی سعی کی جا رہی ہے۔

نفسیاتی محرکات پاکستان میں بنیادی طور پر معاشی اعتبار سے آبادی کو تین طبقات میں تقسیم کیا جاتا ہے۔

۱۔ اُمراء کا طبقہ (UPPER CLASS) یعنی وڈیرے، سردار، خوانین اور بڑے زمیندار، کارخانہ دار، بڑے تجّار اور اُونچے عہدہ دار وغیرہ۔

۲۔ متوسط طبقہ (MIDDLE CLASS) کے لوگ یعنی چھوٹے چھوٹے مالکان اراضی، دکاندار اور ملازمت پیشہ۔

۳۔ غریب عوام (LOWER CLASS) یعنی مزدور، ہاری، مزارعین اور غیر مالک کاشتکار۔

انگریزی ذریعہ تعلیم میں تعلیم حاصل کرنے والے طلبہ کی اکثریت UPPER CLASS سے تعلق رکھتی ہے، اس کی وجہ ان اسکولوں کی زیادہ فیسیں اور دیگر اخراجات ہوتے ہیں جو عام لوگ برداشت نہیں کر سکتے۔ نیز ان اسکولوں سے فارغ التحصیل افراد عموماً اُونچے عہدوں تک بآسانی پہنچ جاتے ہیں۔ یوں اس ذریعہ تعلیم کو جاری رکھ کر حکمران طبقہ غلامانہ دَور کی روایت کو برقرار رکھنا چاہتا ہے تاکہ حکمران اور جمہور عوام کے درمیان خلیج برقرار رہے اور آقا اور غلام کا فرق مٹایا نہ جا سکے جب کہ صلاحیت اور ذہانت تو ہر طبقہ کے افراد میں موجود ہوتی ہے۔ چنانچہ یہ محرک کارفرما نظر آتا ہے کہ ایسے حالات پیدا کر دیئے جائیں کہ جب عام افراد محض ان اسکولوں میں معاشی تنگ دستی کے سبب اپنے بچوں کو تعلیم نہ دلوا سکیں تو ان میں فطری طور پر احساسِ کمتری و مایوسی اور پستی پیدا ہو جائے گی۔ چنانچہ جب عام لوگ اپنے مسائل سے ہی عہدہ برآ نہ ہو پائیں گے تو حکمرانوں کی چالوں کو کیا سمجھیں گے۔ ان کے غلط اقدامات کی مخالفت کیا کریں گے اور یوں حکمران اپنے اقتدار کو طول دے سکیں گے۔

فی الحقیقت انگریزی ذریعۂ تعلیم کو جاری رکھنے کی عملی کوششوں کے پسِ پردہ

موجود اصل مقاصد کو بیان کرنے کا مقصد تعلیمی پالیسی تشکیل دینے والے اور تعلیمی ماہرین کو یہ احساس دلانا ہے کہ وہ ایسی تعلیمی پالیسی مرتب کریں جو ملک و ملت کی فلاح کے لیے ہو، نہ کہ اوپر بیان کردہ محرکات کو مزید فروغ دینے کے لیے۔

ملک میں رائج نظامِ تعلیم اسلامی نظامِ تعلیم کے اصولوں سے کوئی مطابقت نہیں رکھتا۔ محض اسلامیات اور عربی جیسے مضامین کو موجودہ سیکولر نصاب میں شامل کر دیا گیا ہے۔ ان کی افادیت دیگر مضامین کے نصاب اور ان میں بیان کردہ نظریات سے متضاد ہونے کے باعث اور مجموعی طور پر اسکول کے ماحول کے مقابلے میں صفر رہ جاتی ہے۔ مزید برآں انگریزی ذریعۂ تعلیم جاری رکھنے اور اسے فروغ دینے کی سعی سے ملک کے لیے ایسے افراد تیار کرنا ہی مقصد رہ جاتا ہے جو اپنے ذہن سے اپنے ملک کی فلاح و بہبود، ترقی و استحکام اور اپنے اسلامی نظریہ و ثقافت کے فروغ کے لیے کام کرنے کی بجائے مغربی اقوام یا انگریزوں کے غیر تکمیل شدہ مقاصد کی تکمیل کریں۔

چنانچہ ضرورت اس امر کی ہے کہ انگریزی زبان کو بہ حیثیت ذریعۂ تعلیم کے جاری رکھنے کے بجائے ثانوی زبان کی حیثیت دے دی جائے۔ جہاں تک اس کے ذریعہ سائنس اور ٹیکنالوجی کے علم اور دیگر جدید علوم کے حصول اور فروغ کا ذریعہ ہونے کا تعلق ہے اس کے لیے ایسے افراد کو انگریزی زبان سیکھنے کے مواقع فراہم کیے جا سکتے ہیں، اور ان کے لیے بھی جو اس زبان سے دلچسپی رکھتے ہوں اور مہارت حاصل کرنا چاہتے ہوں۔ اس کے علاوہ ایسے اداروں کو وجود میں لایا جائے جہاں جدید علوم کو اپنی زبان میں منتقل کر کے فوری طور پر پورے ملک میں پھیلانے کا مؤثر انتظام ہو۔ ایسے اداروں میں جب جدید علم کو اپنی زبان میں منتقل کرنے کا مؤثر انتظام قائم ہو جائے گا تو بلا وجہ پوری قوم کے ذہنوں پر ایک غیر ملکی زبان کو مسلط کر کے کیوں اُن کے وقت، پیسہ، توانائی اور صلاحیتوں کو ایک زبان سیکھنے پر ضائع کیا جائے۔

اللہ تعالیٰ جو ہمارا خالق اور پوری کائنات کا رب ہے، وہ بندوں کی نفسیات

اور صلاحیتوں۔ سے بخوبی واقف ہے، جبھی تو اُس نے قرآن میں اس حقیقت کو بیان فرمایا ہے:

وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا بِلِسَانِ قَوْمِهٖ لِيُبَيِّنَ لَهُمْ

(ابراھیم۔ ۴)

"ہم نے اپنا پیغام دینے کے لیے جب بھی کوئی رسول بھیجا ہے۔ اس کی اپنی قوم ہی کی زبان میں پیغام دے کے بھیجا ہے تاکہ وہ انہیں اچھی طرح کھول کر بات سمجھائے۔"

فَاِنَّمَا يَسَّرْنٰهُ بِلِسَانِكَ لِتُبَشِّرَ بِهِ الْمُتَّقِيْنَ وَ تُنْذِرَ بِهٖ قَوْمًا لُّدًّا۔

(مریم۔ ۹۷)

"پس اے نبیؐ! اس کلام کو ہم نے آسان کر کے تمہاری زبان میں اس لیے نازل کیا ہے کہ تم پرہیزگاروں کو خوشخبری دے دو اور ہٹ دھرم لوگوں کو ڈرا دو۔"

اس سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ ہر قوم کو اس کی اپنی زبان میں تعلیم دینا ہی اس کے لیے زیادہ سود مند ہے۔

انسانی اعضا و جوارح کی پیوند کاری

ایک مقالہ کی تلخیص

از جناب عصمت اللہ عنایت اللہ - طالب علم پی ایچ ڈی - مکہ مکرمہ

ہمارے ملک میں علمی بحث و تحقیق بالخصوص جدید مسائل اور عصر حاضر کے پیدا کردہ چیلنجوں کا شریعتِ اسلامی کی روشنی میں مدلل جواب دینے کا کام جس وسیع پیمانے پر انفرادی اور اداروں کے ذریعے ہونا چاہیے تھا۔ وہ ہوتا دکھائی نہیں دیتا۔ اور جو چند ایک ادارے اس کام کی طرف توجہ دے رہے ہیں تو انہیں بھی کافی مشکلات کا سامنا ہے یہ ہمارے معاشرے کی ایک اہم ضرورت ہے کہ جدید مسائل کا شریعتِ اسلامی کی روشنی میں سائینٹیفک حل پیش ہونا چاہیے۔ مگر ہوتا یہ رہا ہے کہ سنجیدہ علمی بحث و تحقیق کی بجائے ایسے مسائل کو سطحی معلومات پر مبنی معلومات کی شکل دیگر اخبارات و جرائد کی زینت بنایا گیا۔ کچھ عرصہ قبل " انسانی اعضاء کا عطیہ" کے موضوع پر ملکی اخبارات و جرائد میں ایک بحث چل نکلی تھی۔ اس موضوع کے تحت سنجیدہ علمی بحث و تحقیق پر مبنی ایک مقالہ اُمّ القریٰ یونیورسٹی مکہ مکرمہ میں " ایم اے۔ فقہ اسلامی" کی ڈگری کے لیے راقم نے پیش کیا، جسے امتیازی پوزیشن کے ساتھ ڈگری کا مستحق قرار دیا گیا۔

اہلِ علم حضرات اور اس موضوع سے دلچسپی رکھنے والے لوگوں کے لیے مقالے کا ایک سرسری سا جائزہ پیش خدمت ہے۔ یہ مقالہ تقریباً فل سکیپ کے چار سو صفحات پر مشتمل ہے جو مقدمہ، پانچ ابواب، خاتمہ، ضمیمہ اور مختلف علمی و فنی فہارس پر مشتمل ہے۔

مقالہ کا مختصر سا جائزہ:

مقدمہ | اس میں موضوع کی اہمیت اور اس کے مختلف پہلوؤں کی وضاحت کی گئی ہے۔ یہ بیان کیا گیا ہے کہ مقالہ نویس نے کس پہلو کو کس حد تک اور کیوں اپنی تحقیق کا موضوع بنایا ہے نیز علمی تحقیقات کی مشکلات، اسلوبِ تحقیق اور طریقۂ کار کے علاوہ مقالہ کا ایک اجمالی خاکہ بھی دیا گیا ہے۔

باب اوّل | پہلے باب میں ایسے شرعی اُصول ومبادی اور فقہی قواعد وضوابط بیان کئے گئے ہیں جو اس قسم کے جدید مسائل ومشکلات کے حل میں نشانِ راہ اور استدلال کا کام دیتے ہیں۔

نیز یہ کہ انسان خود اپنے جسم وجان کا مالک نہیں ہے اور یہ کہ انسان کا جسم اور اس کے تمام اجزا بحالتِ موت وحیات یعنی دونوں صورتوں میں طاہر ہے، نجس نہیں ہے۔

باب دوم | زندہ اشخاص میں اعضا کی پیوند کاری واستفادہ کی دیگر صورتیں۔

زندہ انسان کے اپنے اعضاء واجزا جو کسی وجہ سے الگ ہوگئے ہوں یا وقتی طور پر الگ کر لیے گئے ہوں ان کو دوبارہ اسی شخص کے جسم میں پیوند کاری کے ذریعے جوڑ دینا نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے عمل سے ثابت ہے۔

— جو عضو قصاص کی تنفیذ میں کاٹا گیا ہو، اُس کو دوبارہ اسی جسم میں جوڑنا مشروط طور پر جائز ہے۔

— حدود شرعیہ کی تنفیذ کے نتیجہ میں جو عضو جسم سے الگ کر دیا گیا ہو، اسے پیوند کاری سے دوبارہ اس شخص کے جسم میں لگانا جائز نہیں ہے۔

— جو انسانی اعضا خالصتہً طبی وجوہ کی بنا پر، یا حدودِ شرعیہ اور قصاص کی تنفیذ کے نتیجے میں جسم سے الگ ہو جائیں ان کو اصل مالک کے علاوہ کسی دوسرے ضرورت مند مریض کے جسم میں پیوند کاری کے ذریعے منتقل کرنا بیان کردہ شرط کے ساتھ مباح کے درجہ میں آتا ہے۔

اسی طرح اگر مثال کے طور پر، کوئی شخص عمداً کسی شخص کے دونوں گردوں کے تلف

اور ضائع ہو جانے کا سبب بنے اور شرعاً اس پر قصاص لازم ہو جس کی تنفیذ کا حتمی اور لازمی نتیجہ اس کی موت کی صورت میں ہو گا، کیونکہ دونوں گردوں کے ضائع ہو جانے کی صورت زندہ بچنا تقریباً محال ہے تو ایسی صورت میں باہمی صلح اور رضامندی سے ملزم کا ایک گردہ قریب الموت مدعی کو منتقل کیا جا سکتا ہے، جس سے دونوں زندہ رہ سکیں گے۔

— زندہ شخص کا کوئی عضو منتقل کر دینے سے اگر اس کی موت واقع ہونے کا یقین یا خدشہ ہو یا ضرورت مند مریض کے ضرر کے مساوی ضرر پیدا ہونے کا خطرہ ہو تو اس صورت میں پیوند کاری حرام اور ناجائز ہو گی۔

مندرجہ بالا صورتوں کے علاوہ پیوند کاری کی دیگر صورتیں "بوقتِ ضرورت" اور "بقدرِ ضرورت" صاحبِ عضو کی مرضی سے اجازت کے بعد جائز ہو سکتی ہے۔ بشرطیکہ ماہر دیندار اور خدا ترس معالج کی رائے ہو تو ضرورت مند مریض کو یقینی طور پر یا اغلباً فائدہ ہو گا۔

باب سوم | میت کے اعضا و اجزاء سے استفادہ۔

— میت کو از روئے شرع ایک خاص قسم کا تحفظ و احترام حاصل ہے۔ اس تحفظ اور احترام کو یقینی بنانے اور ضیاع سے بچانے کے لیے میت کے "اولیا" کو بھی مداخلت کا حق حاصل ہے۔

— شرعاً معتبر اور تسلیم شدہ مصالح کی بنا پر تعلیم و تدریس، جرائم کی تحقیقات اور خطرناک وبائی امراض کی دریافت کی کنٹرول کے لیے لاش کا بقدرِ ضرورت پوسٹ مارٹم کیا جا سکتا ہے۔ البتہ ضروری ہے کہ تعلیمی و دیگر پوسٹ مارٹم وغیرہ میں عورتوں اور مردوں کا اختلاط نہ ہو، نیز نظر و لمس کے شرعی احکام و آداب کا بھی خیال رکھا جائے۔

— پوسٹ مارٹم سے ملتے جلتے مسائل جیسے حاملہ عورت یا اس کے جنین کی وفات یا کسی کا قیمتی مال، ہیرے جواہر وغیرہ نگل جانے کی صورت میں میت کی چیر پھاڑ پر قدیم فقہاء نے سیر حاصل بحثیں کی ہیں۔

— زندہ شخص کے جسم میں میت کے اعضا کی پیوند کاری بیان کردہ شرائط و آداب

کے ساتھ ضرورت کی حدود میں مباح ہے۔

باب چہارم بعض اعضاء و اجزاء جن سے استفادہ زندگی و موت ہر دو حالتوں میں ممکن ہے۔

اس باب کے اہم مباحث درج ذیل ہیں:

۱۔ **خون**: شرعاً نجس اور حرام ہے لیکن اضطراری حالت میں اس کو پینا نص کی روشنی میں مباح ہے اور اس طرح کسی مریض اور ضرورت مند زخمی بالخصوص مجاہدین کو خون منتقل کرنا اولیٰ و افضل ہے۔

خون دینے سے موجودہ یا آئندہ نکاح پر کوئی اثر نہیں پڑتا۔

خون کے لیبارٹری ٹیسٹ کے نتائج کو حدود شرعیہ کے اثبات کے لیے بطور شہادت پیش نہیں کیا جا سکتا۔ البتہ قصاص وقتل کے جرائم میں ان قرائن قاطعہ کے طور پر لیا جا سکتا ہے اس طرح مجہول النسب بچے یا دایہ یا نرس وغیرہ کی غلطی سے نومولود بچوں کے تبدیل ہو جانے کی صورت میں گروپ سے ان کے حقیقی والدین کے تعین میں مدد لی جا سکتی ہے۔[۱]

۲۔ **انسانی دودھ**: طاہر ہے اور بچہ دو سال کی عمر تک نصیباً اس سے استفادہ کا حقدار ہے۔ دو سال کے بعد احکامِ رضاعت تو مرتب نہیں ہوتے۔ البتہ دودھ کے استعمال کے حکم میں اختلاف ہے۔ اس کے حرام ہونے کی کوئی دلیل نہیں مل سکی۔

انسانی دودھ کے بینک، بلڈ بینک کی طرز پر یورپ میں موجود ہیں، البتہ مسلم ممالک میں ان کے قیام کی اجازت نہیں ہونی چاہیے، کیونکہ اس میں بے شمار شرعی و اخلاقی قباحتیں ہیں۔

۳۔ **انسانی ہڈیاں**: طاہر و پاک ہیں لیکن ان کو آلۂ ذبح کے طور پر، استنجا اور ایندھن کے لیے استعمال کرنا جائز نہیں ہے۔

۴۔ **انسانی بالوں کا استعمال**: بصورت پیوند کاری یا "وگ" حرام ہے۔

---

(۱) خون کے گروپ سے آگے ENZYMES کا مقابلہ کیا جاتا ہے۔ (ایڈیٹر)

۵۔ انسانی کھال: انسانی جلد کھینچنا، اُتارنا اور اس کو دباغت دینا بھی حرام ہے۔

۶۔ انسانی گوشت: بحالتِ اضطرار زندہ رہنے کے لیے بقدرِ ضرورت انسانی گوشت کھانا مباح ہے۔ بشرطیکہ یہ مضطر شخص شرعاً "معصوم الدم" ہو اور گوشت نبی کے جسدِ اطہر کا نہ ہو۔

۷۔ انسانی اعضاء و اجزاء کی منتقلی و پیوندکاری بربنائے مصالح و ضرورتِ شرعاً مباح ہے تو ان کی منتقلی وغیرہ کے لوازم کے طور پر ان کو محفوظ رکھنے کے لیے ان کے بینک بھی بنائے جا سکتے ہیں۔ انسان کے اعضاء و اجزاء کی خرید و فروخت اور ان کا کاروبار کسی صورت میں بھی شرعاً جائز نہیں ہے۔

باب پنجم | مسئلہ: انسانی اعضاء و اجزاء کا متبادل۔

اس کا خلاصہ یہ ہے کہ انسانی اجزاء سے استفادہ کے سلسلے میں اصل حکم حرمت کا ہے۔ جواز بسبب ضرورت محض استثنا ہے، اس لیے ضروری ہے کہ بحیثیت مسلمان ان کا متبادل دریافت کریں جو شرعاً جائز و حلال ہو اور انسانی اجزاء کے متبادل کا کام دے سکے۔

ہماری نظر میں اس کے متبادل درج ذیل ہو سکتے ہیں:

۔ ضرورت مند مریض کے اپنے اعضاء اور اجزائے جسم مثلاً خون، کھال وغیرہ کے استعمال میں شرعاً یا تو کوئی قباحت نہیں ہے یا کم درجہ کی قباحت ہے۔

۔ اگر کام دے سکیں تو تمام حلال حیوانات کے اعضاء و اجزاء بھی استعمال ہو سکتے ہیں۔ اس پر مزید طبی ریسرچ کی گنجائش ہے۔

۔ مصنوعی فاضل اجزا ۔ اگر سونے چاندی یا کسی نجس مادہ سے مرکب نہ ہوں، تو بلا جھجک استعمال کیے جا سکتے ہیں۔ سونا اور چاندی کے اعضا خواتین کے لیے مطلقاً جائز ہیں اور بوقتِ ضرورت ثقہ اور ماہر معالج کی رائے کی روشنی میں مرد کے لیے

ا؎ ربڑ یا پلاسٹک یا کسی اور میٹریل کے بھی اس حکم میں داخل ہوتے پایا نہیں۔ (مدیر)

بھی جائز ہے[1]۔

کسی نجس مواد سے تیار شدہ اعضاء کا استعمال بھی عورت اور مرد دونوں کے لیے ہو سکتا ہے۔ بشرطیکہ فی الواقع ان کا استعمال کیے بغیر چارہ نہ ہو اور ان کا حلال اور پاک موجود نہ ہو۔ یہ سب متبادل قدیم زمانے سے انسان کے بالخصوص اسلافِ اُمتِ مسلمہ کے زیرِ استعمال رہے ہیں۔

نیز یہ کہ مسلمان ڈاکٹروں اور سائنسدانوں کا فرض ہے اور ان کی توجہ اس طرف ضروری ہے کہ ان متبادل اشیاء اور تدابیر کو زیادہ بہتر اور ترقی یافتہ شکل میں سامنے لائیں۔

پیشۂ طب سے منسلک تمام افراد اسی پیشہ کو انسانیت کی خدمت کے ساتھ ساتھ بہترین دعوتی اور اصلاحی اغراض کے لیے بھی استعمال کر سکتے ہیں۔

ضمیمہ | یہ ایسی علمی دستاویزات پر مشتمل ہے جن میں عالمِ اسلام کے مؤقر علمی اداروں رابطۂ عالمِ اسلامی کی فقہ اکیڈمی، مفتیٔ مصر، ازہر نیز مصری و سعودی دارالافتاء، الجزائری و اردنی علماء کی فتویٰ کمیٹی، اور عالمِ اسلام کے بعض ممتاز علمی شخصیات شیخ عبدالرحمٰن ناصر السعدی مرحوم، مفتی محمد شفیعؒ مرحوم، مولانا مودودیؒ مرحوم کے فتاویٰ کے متن عربی میں شامل کیے گئے ہیں۔

مختلف قسم کی فہارس اور اشاریے بھی تیار کیے گئے ہیں تاکہ قارئین کو استفادہ کرنے میں زیادہ آسانی ہو۔

---

[1] جیسے دانت، دانتوں پر استعمال ہونے والا کیل یا تار یا زخموں کے ٹانکے لگانے کا تار وغیرہ (ایڈیٹر)

رسائل و مسائل

حضرت عمرؓ و حضرت ساریہؓ کا واقعہ

سوال : آپ کو ایک اشکال کے سلسلے میں زحمت دے رہا ہوں، رہنمائی فرمائیں۔

"سیرتِ فاروق اعظمؓ" کے زیرِ عنوان اکثر کتابوں اور وعظوں میں ایک روایت لکھی اور بیان کی جاتی ہے۔ بعض لوگ اسے "انتقالِ خیال" (TELEPATHY) کی بہترین مثال قرار دیتے ہیں۔ اور بعض لوگ اس کی توجیہہ میں "انتقالِ خیال" کو پیش کرتے ہیں۔ میرا اشارہ واقعہ "یاساریۃ الی الجبل" کی طرف ہے۔

۱۔ کیا یہ قرینِ قیاس ہے کہ حضرت عمرؓ جمعہ کا خطبہ روک کر ایک خاص ہدایت جاری کریں۔

۲۔ کیا حضرت عمرؓ کو علم الغیب تھا؟

۳۔ کیا حضرت عمرؓ اتنی دور سے دیکھ سکتے تھے، جب کہ وہ عالمِ اسباب میں تشریف فرما تھے۔

۴۔ حضرت ساریہؓ میں اتنی قوتِ سماعت تھی کہ ہزاروں میل دور سے حضرت عمرؓ کی آواز سن پائے جب کہ وہ بھی عالمِ اسباب میں تشریف رکھتے تھے۔

۵۔ کیا اس پورے واقعے سے علمِ غیب کی تعریف بدل نہیں جاتی۔

۶۔ جو حضرات اس واقعہ کو بیان کرتے ہیں وہ قائل ہوتے ہیں کہ یہ تو رسولؐ کے ایک غلام کا حال تھا تو پھر حضورؐ کے علم غیب کا کیا مرتبہ ہوگا۔ اسی سے وہ حاضر، ناظر و مختار کل کا اثبات و انطباق کرتے ہیں اور خود کو حق بجانب سمجھتے ہیں۔ اس روایت کا علمی پایہ کیا ہے؟

جواب: حضرت عمرؓ سے متعلق جس تاریخی روایت کا ذکر آپ نے کیا ہے، میرے نزدیک وہ بالکل صحیح ہے اور محض واعظین کا قصہ نہیں ہے۔ سلف سے خلف تک اسے مؤرخین ہی نے بیان نہیں کیا، بلکہ نہایت ثقہ علماء و فقہاء نے معجزات انبیاء اور کرامات اولیاء پر بحث کرتے ہوئے اس واقعہ کا ذکر فرمایا ہے۔ مثال کے طور پر ملا علی القاری جو بڑے جلیل القدر حنفی محدث اور فقیہ اور متعدد کتب کے مصنف ہیں۔ انہوں نے امام ابوحنیفہ کی تصنیف فقہ اکبر کی جامع تشریح شرح فقہ اکبر کے نام سے لکھی ہے، اس میں امام صاحب کی عبارت: المعجزات الانبیاء والکرامات للاولیاء حق (انبیاء کے معجزات اور اولیاء کی کرامات حق ہیں)، کی شرح میں لکھتے ہیں:

> فان کرامة التابع کرامة المتبوع والولی هو عارف بالله وصفاته ما یُمکن له المواظب علی الطاعات، المجتنب عن السیئات، المعرض عن الانهماك فی اللذات، والشهوات والغفلات و الملهوات وذالك کما وقع من جریان النیل بکتاب عمر ورویة علی المنبر بالمدینة جیشه بنهاوند حتی قال لامیر الجیش یاساریة الجبل الجبل محذرله من وراء الجبل لکمن العدو هنالك وسماع ساریة کلامه وکشرب خالد السم من غیر تضرر به وکذا ما وقع لغیره من الصحابة .....

(تابع کی کرامت دراصل متبوع کی کرامت ہے اور ولی وہ ہے جو اپنی امکانی حد تک اللہ اور اس کی صفات کو پہچانے، بندگی پر ہمیشہ استوار رہے، بُرائیوں سے بچے، لذات، شہوات، غفلت، لہو ولعب میں انہماک سے منہ موڑے۔ ایسے اولیاء سے کرامات واقع ہوتی ہیں، جس طرح حضرت عمرؓ نے دریائے نیل میں اپنا خط ڈلوایا اور دریا میں روانی آگئی۔ اور مدینہ میں انہوں نے اپنے لشکر کو دیکھ لیا جو نہاوند (ایران) میں جہاد پر تھا، یہاں تک کہ امیر لشکر حضرت ساریہؓ کو پکارا: اے ساریہ، پہاڑ کا رُخ کرو، پہاڑ پر توجہ کرو، کیونکہ دشمن اس کے پیچھے چھپا تھا، جس سے خبردار کر رہے تھے۔ حضرت ساریہؓ نے یہ کلام سن لیا۔ اور خالدؓ بن ولید نے زہر پی لیا، مگر اس کے ضرر سے محفوظ رہے۔ دیگر صحابہ کرام سے بھی کرامات کا صدور ہوا۔)

اب میں ایک دیگر بلند پایہ محقق و محدث امام ابن تیمیہؒ کا قول نقل کرتا ہوں۔ اُن کے مجموعہ الفتاوٰی کی جلد ۱۱ تصوف سے متعلق ہے اور اس کا آخری حصہ معجزات و کرامات ہی سے بحث کرتا ہے۔ اس میں امام موصوف نے اولیاء کی تعریف قریب قریب وہی فرمائی ہے جیسی کہ امام علی القاری سے منقول ہے۔ فرماتے ہیں کہ اولیاء اللہ کو کرامات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اتباع سے حاصل ہوئی ہیں: فھی فی الحقیقۃ تدخل فی معجزات الرسول صلی اللہ علیہ وسلم (یہ کرامات دراصل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے معجزات کے زمرے میں داخل ہیں)۔ پھر امام ابن تیمیہؒ نے متعدد صحابہ کرام کی کرامات گنوائی ہیں۔ اسی ضمن میں لکھتے ہیں کہ خالد بن ولید ایک مستحکم قلعہ کا محاصرہ کیا، وہاں انہوں نے زہر آلود مشروب پیا، مگر انہیں کوئی ضرر نہ پہنچا۔ پھر لکھتے ہیں کہ عمر بن الخطاب نے ایک لشکر جہاد پر روانہ فرمایا اور ایک شخص ساریہؓ نامی کو سپہ سالار بنایا۔ حضرت عمرؓ خطبہ دے رہے تھے کہ اچانک منبر پر پکار اُٹھے۔ یاساریۃ الجبل، یاساریۃ الجبل (اے ساریہ پہاڑ کا

رُخ کرو، اے ساریہ پہاڑ کی جانب چلو) ۔ اِس کے بعد لشکر سے ایک پیغام رساں آیا جس نے بتایا، اے امیرالمومنین ہم نے دشمن کا مقابلہ کیا اور پسپا ہو رہے تھے کہ آواز آئی کہ اے ساریہؓ پہاڑ کی طرف بڑھو، پہاڑ کی جانب چلو۔ ہم نے پہاڑ کو پشت پر لیا اور اللہ نے دشمن کو شکست دے دی۔" (مجموعہ فتاوی ابن تیمیہؒ جلد ۱۱ ص ۲۷۰۔)

امام ابن جریر طبری نے بھی تاریخ الامم والملوک جلد سوم، ۲۳ھ کے واقعات میں حضرت عمرؓ اور حضرت ساریہؓ کا یہ قصہ پورا بیان کیا ہے۔ بعد کے مؤرخین اور سیرت نگار بھی اس واقعہ کو بالعموم بیان کرتے ہیں۔ مثلاً مولانا اکبر شاہ خان صاحب نجیب آبادی نے اپنی "تاریخ اسلام" میں حضرت عمرؓ کی خلافت کے واقعات میں اسے درج کیا ہے۔ الاخوان کے مرشد عام الشیخ عمر تلمسانی کی کتاب "شہید المحراب" جس کا ترجمہ حافظ محمد ادریس صاحب نے کیا ہے، اس میں بھی اس واقعہ کا ذکر موجود ہے۔

بہرکیف نقل صحیح اور مستند تاریخی روایات سے جو واقعات اُمت میں مشہور معروف ہیں، ان کی نوعیت خواہ خوارق و کرامات ہی کی کیوں نہ ہو، انہیں تسلیم کر لینے میں کوئی شرعی یا عقلی مضائقہ نہیں ہے، نہ اس سے یہ لازم آتا ہے کہ جن حضرات سے ان صدور رہوا ہے، انہیں ایسا علم غیب یا غیر معمولی مافوق الاسباب قدرت یا دسترس بخشی کہ وہ جہاں چاہتے، پہنچتے، جو چاہتے کر لیتے۔ کسی ولی یا کسی نبی کو اللہ تعالیٰ نے اپنا ایسا ہمسر نہیں بنایا۔ البتہ اللہ تعالیٰ جب چاہتا ہے، جس حد تک چاہتا ہے انبیاء علیہ السلام اور اولیائے کرام کو علم غیب عطا فرما دیتا ہے۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو عطا کردہ معجزات اتنی کثیر تعداد میں ہیں کہ امام ابن تیمیہؒ کی جس بحث کا ذکر اُوپر آچکا ہے، اسی میں وہ فرماتے ہیں کہ میں نے آنحضورؐ کے ایک ہزار معجزات جمع کئے ہیں۔ لیکن قرآن مجید ہی سے معلوم ہوتا ہے کہ آنحضور کے اپنے اختیار میں نہ تھا کہ جو معجزہ آپ چاہیں یا جس کا مطالبہ مخالفین کریں، بس ور وہ صادر

ہو جاتے۔ آنحضورؐ کو اللہ تعالیٰ نے بے شمار اُمور غیبیہ پر مطلع فرما دیا۔ اس کا ثبوت قرآن و حدیث میں موجود ہے، لیکن واقعۂ افک جسے حضرت عائشہؓ نے خود روایت کیا ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ آنحضورؐ پر بے قراری و اضطراب اور حزن و ملال کی کیفیت اس معاملے میں نزولِ وحی کے لمحات تک طاری رہی جس سے واضح ہوتا ہے، کہ انبیاء علیہم السلام کو بھی جملہ مغیبات یعنی واقعات و اُمور غیبیہ کا فوری براہ راست بلا واسطہ علم نہیں ہو جاتا۔ البتہ اللہ تعالیٰ جب چاہتا ہے، جتنا چاہتا ہے، غیب کا علم انبیاء علیہم السلام کو بھی عطا فرماتا ہے۔ قرآن مجید میں فرمایا: قل لا اقول لکم عندی خزائن اللّٰہ ولا اعلم الغیب (الانعام۔ ۵۰)

حضرت عمرؓ کے ایک یا دو واقعات سے بھی یہ لازم نہیں آتا کہ انہیں ہر واقعہ یا اکثر واقعات کا غیبی علم ہو جاتا تھا۔ حضرت ساریہؓ والا واقعہ ایران کے جہاد نہاوند میں پیش آیا ہے اور بعض تاریخوں میں درج ہے کہ ابولولو جس نے حضرت عمرؓ پر قاتلانہ حملہ کر کے آپ کو شہید اور متعدد صحابہ کرام کو زخمی کر دیا تھا یہ بھی نہاوند کا گرفتار شدہ غلام تھا۔ بعض مؤرخین نے یہ بھی لکھا ہے کہ اس بدبخت کی گفتگو اور حملہ سے چند روز پیشتر کی حرکات و سکنات مشتبہ تھیں، لیکن تقدیر و قضائے ربانی میں جو کچھ طے تھا وہ ہو کر رہا اور حضرت عمرؓ یا کسی دوسرے صحابی کو پیشگی علم نہ ہو سکا کہ قاتلانہ حملہ ہوگا۔

حضرت یوسفؑ کنویں میں ڈالے گئے، نکالے گئے، مصر پہنچائے گئے۔ اس سلسلۂ واقعات کا علم حضرت یعقوبؑ کو نہ ہو سکا، لیکن جب اللہ نے چاہا اور حضرت یوسفؑ نے اپنے نابینا والد کے لیے اپنا قمیص روانہ کیا تو حضرت یعقوبؑ نے فرمایا: مجھے یوسفؑ کی خوشبو آرہی ہے۔

ٹیلی پیتھی یا انتقال خیال کے بارے میں مجھے زیادہ معلومات نہیں ہیں، مگر میں حضرت عمرؓ کے واقعہ کو ٹیلی پیتھی کی مثال نہیں سمجھتا۔ کرامت کوئی ایسا مافوق الفطری وصف یا صلاحیت نہیں ہے جو مشق و ریاضت سے کسی کے اندر پیدا ہو جاتی ہے۔ بلکہ یہ ایک نتیجہ اور انعام ہے کاملاً اتباعِ شریعت کا، جیسا کہ بیان ہو چکا ہے۔ چنانچہ امام ابن تیمیہؒ

اس ضمن میں فرماتے ہیں: فاولیاء اللہ المتقون ھم المقتدون لمحمد صلی اللہ علیہ وسلم فیفعلون ما امر بہٖ وینتھون عما زجر عنہ و یقتدون بہ فیما بین لھم ان یتبعوہ فیہ فیؤید ھم بملائکتہ و روح منہ ویقذفون فی قلوبھم من انوارہ و لھم الکرامات التی یکرم اللہ بھا اولیاءہ المتقون - (اولیاء اللہ اور متقی حضرات وہ ہیں جو محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی کرتے ہیں، جس بات کا حکم دیا گیا، اُس پر عمل کرتے ہیں اور جس سے ڈرایا گیا ہو، اُس سے باز رہتے ہیں اور جس اتباع کی وضاحت فرمائی گئی، اس کی پیروی کرتے ہیں۔ پس اللہ اپنے فرشتوں، بالخصوص جبریل ؑ سے ان کی مدد فرماتا ہے اور اپنے انوار ان کے قلوب میں ڈال دیتا ہے۔ پھر انہیں کرامات حاصل ہوتی ہیں، جن کے ذریعے سے اللہ تعالیٰ اپنے اولیائے متقین کو عزت بخشتا ہے۔)

اس سے معلوم ہوا کہ کرامات دراصل اتباع شریعت کا نتیجہ اور منجانب اللہ عزت افزائی کی علامت ہیں۔ جو شخص پوری طرح شریعتِ اسلامیہ کا پیرو نہیں اس سے خوارق کا صدور خود اس کے لیے اور دوسروں کے لیے باعثِ فتنہ تو ہو سکتا ہے، مگر اس چیز کا کوئی تعلق نیکی، بزرگی، خدا رسیدگی سے جوڑنا صحیح نہیں ہے۔

باقی رہا یہ سوال کہ خطبۂ جمعہ کے دوران رُک کر بیچ میں کوئی دوسری بات کرنا، تو یہ امر جائز ہے۔ خطبہ ایک خطاب و تقریر ہے جو نمازیوں کو مخاطب کر کے کی جاتی ہے۔ احادیث و روایات سے ثابت ہے کہ خود نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور خلفائے راشدین نے خطبے کے بیچ میں بھی حاضرین کو کبھی کوئی خاص ہدایت فرمائی۔ دورانِ خطبہ بعض سوال و جواب بھی منقول ہیں۔

(غلام علی)

مطبوعات

موضوعاتِ قرآن اور انسانی زندگی | از خواجہ عبدالوحید مرحوم ۔ ناشر: ادارہ تحقیقاتِ اسلامی، اسلام آباد۔ پوسٹ بکس نمبر ۱۰۳۵ ۔ پاکستان ۔

عمدہ دبیز چکنے سفید کاغذ پہ ٹائپ کی خوب صورت چھپائی ۔ اردو ٹائپ میں پڑھتے ہوئے مجھے بوجھ محسوس ہوتا ہے ۔ مگر "تحقیقاتِ اسلام" کا ٹائپ بہت گوارا قسم کا ہے ۔ ص ۴۲۵ (بڑی تقطیع) دبیز کارڈ پیپر پہ سرورق رنگین ۔ قیمت درج نہیں، کیونکہ بسااوقات قیمت معلوم کرتے ہی شائقین بھاگ جاتے ہیں ۔ اور ابھی تو قیمتیں اور بھی بے نظیر ہوا کریں گی ۔

ع کیا کرو گے، اگر سحر نہ ہوئی

خواجہ عبدالوحید صاحب سے ملاقاتیں تو دو ایک نہایت مختصر سی ہوئیں، جن میں ہم ادب و انکسار کے بوجھ تلے اتنے دبے رہے کہ کبھی بات چیت کی مجال ہی نہیں ہوئی اصل میں ایمان، علم اور اخلاق و کردار جہاں یک جا ہوں، وہاں مقام ہی کچھ اور ہوتا ہے ۔ ویسے خواجہ مرحوم سے میرا غائبانہ تعلق پڑا نا ہے ۔ جب اپنی باگ (بطور احتجاج بہ خلاف غلامی) مقاطعۂ تعلیم سے آزاد مطالعہ کی طرف مڑی تو تاریخاً جن کتابوں کا مطالعہ کیا اُن کے سامنے پابندی سے (THE ISLAM) کا لفظ لفظ (ڈکشنری رکھ کر پڑھا) ۔ بڑی مشکل سے جا کر وہ مقام آیا کہ فلسفہ و نفسیات یا ادب و سیاست کی انگریزی کتب پڑھ سکوں ۔ پھر اسی نام سے کراچی سے انہوں نے پندرہ روزہ انگریزی جریدہ نکالا، جس کا ایک خصوصی باب انگریزی ترجمہ قرآن مع متن (بالاقساط) تھا ۔

افسوس کہ اس کام کی تکمیل سے پہلے ہی خواجہ صاحب کے امتحانِ عمر کی تکمیل ہو گئی۔

پیشِ نظر کتاب "موضوعاتِ قرآن" سے پہلے جو کام میرے سامنے تھا، ان میں سے ایک تو دارالاشاعت پنجاب والوں کی کئی سال پہلے پانچ جلدوں میں شائع کردہ ایک کتاب تفصیل البیان فی مقاصد القرآن تھی۔ بالکل قریب ہی ایک کتاب جان فیصل آبادی کی جواہر القرآن سامنے آئی۔ انھوں نے بھی خاصی محنت کی ہے۔ میرے استعمال میں عربی کی الجامع المواضیع آیات القرآن الکریم۔ از محمد فارس برکات (طبع دمشق) رہتی ہے۔ خوبصورت کاغذ پر خوبصورت عربی ٹائپ میں چھپی ہوئی بہت بڑی تقطیع کی یہ کتاب مختلف موضوعات و مطالب سے متعلق آیات جمع کر کے دیتی ہے۔ لیکن خواجہ صاحب کی کتاب "موضوعاتِ قرآن اور انسانی زندگی" (لفظ موضوعات کا اُردو معنی لیا جائے) نے اُردو مصنفین، خطیبوں، صحافیوں، دانشوروں، ججوں اور وکیلوں، نیز اساتذہ و طلبہ کے لیے بڑی آسانیاں پیدا کر دی ہیں۔

میں نے سرسری مطالعہ میں محسوس کیا کہ خواجہ صاحب نے بربنائے احتیاط آیات کے تراجم میں اصحابِ ظاہر کا رویہ اختیار کیا ہے۔ مگر مشکل یہ ہے کہ اس طرح ہر لفظ کی ڈبیہ میں دو یا تین امکانی مفہوم اکٹھے ہو جاتے ہیں۔ آپ نے ڈبیہ کو بند رکھ کر اپنے آپ کو غیر جانب دار کر لیا۔ مگر جو بھی کھولے گا وہ خود کسی نہ کسی مفہوم کو اختیار کرے گا، یا کسی دوسرے عالم کی مدد سے ظاہر کا چھلکا اُتار کر باطن کے حقائق میں انتخاب و تعین چاہے گا۔ کیونکہ اس کے بغیر عمل ممکن نہیں۔ ورنہ ہر کوئی اگر ڈبیہ کو بند ہی رکھنے کو احتیاط و تقویٰ کا تقاضا سمجھے اور مکتوبات سے تعرض نہ کرے تو ساری مشینیں ہی بند ہو جائیں گی۔ اسی طرح بعض جگہ بریکٹ یا حاشیے میں وضاحت ضروری تھی مثلاً: ص ۳۲۲، آیت ۶ کا تعلق سلیمان علیہ السلام سے واضح ہونا چاہیے تھا۔ ترجمہ کے انتخابِ الفاظ پر تو بحث کے اتنے مواقع ہیں کہ سارا قصہ چھیڑا جائے تو رقبۂ تحریر ناکافی ہے۔ اوپر سے معاملہ ایک ایسے بزرگ کا کہ مجال دم زدن نہیں۔

حسبِ ذیل ابواب میں ذیلی عنوانات کے تحت آیات کا ترجمہ مع حوالہ درج

ہے۔

۱۔ زندگی کا انفرادی پہلو۔ ۲۔ زندگی کا عائلی پہلو۔ ۳۔ معاشرتی زندگی۔ ۴۔ زندگی کا قومی اور بین الاقوامی پہلو۔ ۵۔ زندگی کا ثقافتی پہلو۔ ۶۔ زندگی کا معاشی پہلو۔ ۷۔ زوال و بربادیٔ اقوام کے اسباب۔

سیاسی آندھیاں اور ثقافتی طوفان کیسے بھی چلتے رہے۔ مگر پاکستان میں علمی اور ادبی اور صحافی تینوں سطحوں پہ دین و ایمان کی پرورش کے لیے سامان ہوتا رہا۔ بخصوصاً ماحول کی خوفناک انفعل بیچقل ہیں جو اصحاب اور ادارے علمی کام ایسے انہماک سے کرتے ہیں کہ گویا ان کے خیمۂ فکر و تحقیق کے باہر کچھ بھی نہیں رہا، بہت قیمتی ہیں۔ اور اقبال کے عہد میں اُبھرنے والے خواجہ صاحب تو ان اہل اللہ میں سے تھے جن کی زندگیوں کے دامن پر ہوس و بے ضمیری کی گرد بھی نہیں پڑی۔ ایسے بزرگوں کے کاموں سے استفادہ کرنے میں بڑی برکت ہے۔ ہمارا فرض ہے کہ ہم ان کے لیے مغفرت و درجات کی دُعا کریں۔

مکتوباتِ اقدس مرتب: محمد صدیق نسیم چودھری۔ ناشر: نسیم اکبر فاؤنڈیشن، پی ۱۴۲، ریلوے روڈ، فیصل آباد۔ اعلیٰ اسفید کاغذ، نفیس طباعت آفسٹ۔

اس بحث سے قطعِ نظر کہ دورِ ضیاء الحق کیسا تھا اور کیسا نہ تھا، یہاں میں ایک بات کا اقرار ضرور کرتا ہوں کہ سیرتِ پاکؐ کے متعلق لٹریچر میں اس دور میں زور و شور سے اردو میں اور صوبائی زبانوں میں، نیز انگریزی میں اضافہ ہوا اور ہوتا جا رہا ہے۔ ہر سال سیرت نگاروں اور نعت نگاروں میں ایوارڈ اور انعام تقسیم ہوتے رہے اور قومی و صوبائی سطح کے علاوہ کالجوں اور یونیورسٹیوں میں تقاریب سیرت منائی گئیں۔ اور خطبات پیش ہوتے رہے۔ ایم۔ اے اور پی۔ ایچ ڈی کے لیے سیرت پر مقالات لکھے گئے۔ بچوں میں اعلیٰ سطحوں پر انعامی مقابلے ہوئے۔ سوچنے والوں نے نئے نئے موضوع سوچے کسی نے حضورؐ کی خاص راتوں پر لکھا، کسی نے حضورؐ کے سفروں کو مبحث بنایا۔ کسی نے

غزوات وسرایا کو چُنا اور کسی نے عدالتی فیصلوں، خاص خاص اعلامیوں، یثاقِ مدینہ اور امراء کو دیئے جانے والے احکام سے روشنی حاصل کی۔ اس دور کا ایک فیضان نقوش کا رسولؐ نمبر ہے جو بجائے خود ایک سنگِ میل ہے۔

حضورؐ کے مکاتیب پر بھی نگاہیں مرتکز ہوئیں۔ پہلے بھی کتب سیر میں مختلف مشہور خطوط بنام معاصر سلاطین وملوک محفوظ ہیں۔ قدیم ترین مجموعۂ مکاتیب نبویؐ مشہور صحابی حضرت عمرو بن حزم انصاری رضؓ نے مرتب کیا تھا جو ۲۱ خطوط پر مشتمل ہے۔ علاوہ ازیں یثاقِ مدینہ احادیث وسیر کی کتابوں میں محفوظ ہے۔ اسی طرح معاہدۂ حدیبیہ ہے۔ پھر تعلیمِ دینی، عدالت وقانون اور طریقِ حکومت کے متعلق ماتحت امرا کو ہدایات ہیں۔ حال ہی میں کچھ نئے خطوط دریافت ہوئے ہیں۔ گذشتہ ڈیڑھ دو سو سال کے دوران چار مکتوبات اقدس بعینہٖ اصلی حالت میں دست یاب ہوئے ہیں۔ (کتاب ص ۹) اس سلسلے میں مزید گفتگو پڑھنی چاہیے۔

ایک جملہ بڑا اہم اور قیمتی ہے۔ ص ۱۳ پر ہے کہ "ان مکتوباتِ گرامی کے بعد تاریخِ انسانی کا ایک نیا اور انقلابی دور شروع ہوتا ہے"۔

واقعی یہ خطوط محض ادب یا انشا یا صاحبِ تحریر کی شخصیت کے مطالعہ کا ذریعہ نہیں ہیں، بلکہ ان کی خاص قدر وقیمت یہ ہے کہ یہ خطوط ایک نئے انقلاب کے پرچم ہیں۔ کیونکہ ان میں بادشاہوں اور ملوکیت پرست اور اندھی مذہبیت کے مریضوں کو زندگی کے ایک نئے نظام کا پیغام دیا گیا ہے اور اس پیغام کی عملاً تشریح رسولؐ اور ان کی جماعت پیش کر رہی تھی۔

کتاب میں مکتوب بردار سفرا کی فہرست بھی درج ہے۔ متعدد خطوط رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کی بہترین صاف اور رنگین تصویریں نظر افروز ہیں۔ علاوہ ازیں ہر خط اور ان سے متعلق مؤلف کا کلام اور مباحث آغاز بہت ہی مفید ہیں۔

ہم اس کتاب کا دلی خیر مقدم کرتے ہیں۔

۵۲ دُروس قرآن مرتب: سیّد طاہر رسول قادری - ناشر: ادارہ معارف اسلامی سی ۱۰/۱۶۳ فیڈرل بی ایریا کراچی نمبر ۷۵۹۵۰ - صفحات: ۴۷۶ - قیمت درج نہیں -

یہ کتاب دراصل " انقلابی کتاب حصّہ دوم" کہلاتی ہے - " انقلابی کتاب حصّہ اوّل صرف علومِ قرآن، قرآنی مباحث اور قرآنی اصطلاحات پر مشتمل ہے - انقلابی کتاب سیریز کی اس دوسری کتاب میں قرآن مجید کے مختلف مقامات سے ۵۲ دُروس کا انتخاب کیا گیا ہے - جن کا مقصد جماعت اسلامی اور دوسرے دینی حلقوں کے ہفت روزہ حلقہ ہائے دروسِ قرآنی کے لیے سال بھر کا نصاب مہیا کرنا ہے - گویا پورے ایک سال کے ۵۲ ہفتوں کے لیے ۵۲ دروسِ قرآنی منتخب کیے گئے ہیں -

ان دروس میں قرآن مجید کا ترجمہ تفہیم القرآن سے لیا گیا ہے - اور عربی متن کسی عرب مُلک کے چھپے ہوئے قرآن مجید سے حاصل کیا ہے - جو اپنے رسم الخط کے اعتبار سے ہمارے ہاں نامانوس ہے اور بہت سے لوگوں کے لیے اُسے صحیح طور پر پڑھنا مشکل ہے - دورانِ تشریح جو آیاتِ قرآنی دی گئی ہیں وہ ایک تو بغیر اعراب کے ہیں جنہیں پڑھنا عام قاری کے لیے دشوار ہے - دوسرے ان میں کتابت کی بہت سی غلطیاں ہیں - مثال کے طور پر:

ص ۳۸ پر عرضنا غلط طور پر درج ہے جب کہ عَرَضْنَا صحیح ہے -
ص ۲۱۵ پر باب التقوی " " " باب التقوٰی " "
ص ۳۲۵ پر یصلون علی المنبی " " " يُصَلُّوْنَ عَلَى النَّبِيِّ " "
ص ۴۲۶ پر التغابر " " " التَّغَابُنِ " "
ص ۴۲۷ پر يقتدرو " " " يَقْتُرُوْا " "

بہرحال یہ کتاب وابستگانِ دین، خصوصاً نوجوانوں کے حلقوں میں درسِ قرآنی کی بہت بڑی ضرورت کو پورا کرنے والی ہے - طلبہ و طالبات کے علاوہ عام قارئین کے لیے بھی یہ کتاب یکساں طور پر مفید ہے - آغاز میں قاضی حسین احمد صاحب امیر جماعتِ اسلامی پاکستان کا بصیرت افروز مقدمہ بھی درج ہے -

---

اسلام میں خواتین کا کردار | مصنف: عاصم نعمانی - ناشر: حرا پبلی کیشنز، اُردو بازار، لاہور۔ صفحات: ۱۰۰ - قیمت: ۱۸/- روپے

اس کتابچے میں عورت کی حیثیت، اُس کے حقوق اور اس کی ذمہ داریوں کے بارے میں قرآن وحدیث کی روشنی میں بحث کی گئی ہے۔ ضمنی طور پر عورت کے دائرۂ کار، تعددِ ازدواج، امہات المومنینؓ، حضورؐ کی صاحبزادیوں، مسئلہ طلاق، خُلع اور لونڈیوں کے بارے میں بھی کچھ مباحث درج کیے گئے ہیں۔ آخر میں پردے اور حجاب کے احکام بھی بیان کیے گئے ہیں۔ اس کے علاوہ کلامِ اقبال کے حوالے سے بھی عورت کے تصوّر کو اُجاگر کیا گیا ہے۔

دعوتِ دین کے فطری اور سیدھے سادے اُسلوب میں تمام موضوعات کو بیان کیا گیا ہے۔ اور بہت مفید معلومات اور احکامِ دین تحریر کیے گئے ہیں۔

اچھی لکھائی چھپائی اور بہت خوبصورت ٹائیٹل سے یہ کتابچہ مزین ہے۔ اور پیپر بیک میں ہے۔

اسلام پر اعتراضات کا علمی جائزہ | از جناب محمد موسیٰ بھٹو - ناشر: سندھ نیشنل اکیڈیمی۔ پوسٹ بکس نمبر ۲۵۸ - حیدر آباد - قیمت: ۲۵/- روپے۔

اہلِ تخریب کا ہمیشہ سے یہ مسلک رہا ہے کہ وہ وحدت کو کاٹتے ہیں۔ مسلّمات کے خلاف لڑائی لڑتے ہیں، شکوک اُبھارتے ہیں۔ اور اعتماد کو ختم کرتے ہیں۔ جی ایم سیّد جیسے بزرگ سے اتنی پست ذہنیت کی توقع تو نہیں کی جا سکتی۔ جی ایم سیّد نے برسوں سے سندھ میں پاکستان کے خلاف ہی نہیں، خود اسلام کے خلاف جنگ چھیڑ رکھی ہے۔ اسی فضا میں سندھ کا کلہاڑی ازم برآمد ہوا۔ اور اب وہ کلاشنکوف ازم میں ڈھل کر انسانیت کے سینے پر ناچ رہا ہے۔ خیر مدعا یہ کہ جی ایم سیّد نے اسلام کے خدوف عقائد، اصولوں، حرام حلال کی حدود، قومیت کے تصوّرات اور ہر چیز

کے خلاف اعتراضات اور حملوں کی جو جنگ چھیڑ رکھی تھی، اُس کا دلیل سے جواب اپنی مختصر کتاب میں محمد موسیٰ بھٹو صاحب نے دیا ہے۔ کتاب میں عنوان بہ عنوان ان کی چھیڑی ہوئی بحثیں مختصر ہونے کے باوجود مفید اور مؤثر ہیں۔

نقوشِ سیرت | از جناب حکیم محمد سعید۔ ہمدرد فاؤنڈیشن پریس۔ ناظم آباد کراچی۔
پانچ مختصر کتابوں کا سیٹ ایک ڈبے میں بند۔ قیمت فی کتاب ۵/- روپے۔

حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرتِ پاک کے متعلق حسب ذیل عنوانات پر یہ کتاب لکھی گئی ہے۔ ۱۔ سب کے پیارے ۲۔ اللہ سے محبت ۳۔ اچھے اخلاق ۴۔ صحابہؓ کی تربیت ۵۔ مبارک ہستی۔

معلومات مستند، زبان سلیس و پاکیزہ، مقصد عوام، خصوصاً بچوں کی ذہنی و اخلاقی تربیت۔ یہ سیٹ پڑھنے کے علاوہ احباب، عزیز، خواتین اور بچوں کو بطور تحفہ یا انعام دینے کے لیے بہت موزوں ہے۔

عصرِ حاضر اور اسلام کا نظامِ قانون | از ڈاکٹر محمد امین۔ ناشر: ادارہ ترجمان القرآن (پرائیویٹ) لمیٹڈ لاہور۔ کمپیوٹری طباعت۔ صفحات: ۲۷۳۔ قیمت ۶۰/- روپے

یہ موضوع ڈاکٹر صاحب کا خاص میدانِ تگ و تاز ہے۔ ان کے اس جامع مقالے میں مفید معلومات بھی ہیں۔ ص ۶ پر شریعت اور فقہ کی تفریق کا جو قصہ انہوں نے چھیڑا ہے، اس کا ایک جز حقیقت کے قریب ہے، مگر دوسری طرف حضورؐ کا یہ ارشاد کہ من اطاع امیری فقد اطاعنی ومن اطاعنی فقد اطاع اللہ۔ اگر پوری طرح نگاہوں میں رہے تو نظم قانون کی CHAIN مکمل ہو جاتی ہے۔ ورنہ نظام اگر چل رہا ہو تو کوئی یہ نہیں کہہ سکتا کہ میں نصوص کو تو مانوں گا، مگر اس کی تعبیرات کو نہیں، نیز کسی خلیفۂ راشد یا اُس کی مجلس شوریٰ یا اُس کے عاملوں یا ان کے ججوں کے اجتہادات یا تفقہات کو قبول نہیں کروں۔ جی نہیں، آپ کو ٹریفک رولز اور یکو

لگانے کے اصول تک مانتے ہوں گے۔ اور ان کی اسلامی نظام میں پابندی پر بھی ویسا ہی ثواب ہو گا جیسا کسی صدقہ و نفل کا ہے، جب کہ ترک معصیت ہو گی۔ ورنہ نتیجہ انارکی ہے۔ ص ۹ پر اجتہاد کی اہمیت خود ہی واضح کر دی (اور اجتہادی فیصلے محض سفارشات نہ ہوں گے۔ ص ۹۳)۔ (ص ۱۳۹ ضرور پڑھ لیا جائے کیونکہ ڈاکٹر صاحب کا رہوار فکر اب کسی اور طرف جولانیاں دکھا رہا ہے۔ مواقع بحث و اختلافات بہت ہیں اور ایسے موضوعات کا یہی تقاضا ہے، مگر مطبوعات کے صفحات اجازت نہیں دیتے۔

مبادی الاسلام۔ دینیات | از سید ابوالاعلیٰ مودودیؒ۔ انٹرنیشنل اسلامک فیڈریشن آف سٹوڈنٹس آرگنائزیشنز۔ طبع کویت۔ قیمت درج نہیں۔

روزہ اور اس کی حقیقت | از شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ۔ ناشر: ادارہ علمی تحقیقات وافتاء دعوت وارشاد۔ ریاض، سعودی عرب۔ کاغذ، طباعت، سرورق عمدہ۔ ص ۱۲۶۔ مفت تقسیم۔



REGD. NO. L 5340 PHONE : 324468

MONTHLY **TARJUMAN-UL-QURAN** LAHORE

جاری کردہ: مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودیؒ

ماہنامہ ترجمان القرآن

رُوداد اجتماعِ عام

- افتتاحی خطاب
- کلیدی خطاب
- خطاب جلسہ عام
- اختتامی خطاب

قاضی حسین احمد امیر جماعت اسلامی

- رپورٹ جماعتِ اسلامی پاکستان ۸۳ء-۸۹ء
(قافلۂ حق کی چھ سالہ روداد سفر)
- اعلامیہ

اجتماعِ عام نمبر ۸۹ء

دیگر تقاریر

- دروس قرآن و حدیث
- انقلابی کردار: ایمان، جہاد اور دعوت
- انقلابی جماعت: رُحَمَاءُ بَیْنَھُمْ
- پاکستان میں جماعتِ اسلامی کا کردار
- اسلامی انقلاب میں خواتین کا کردار
- نوجوان — اسلامی انقلاب کا ہراول دستہ
- ہم اس ملک میں کیا معاشی تبدیلیاں لائیں گے؟
- بین الاقوامی مندوبین

مُقرّرین

میاں طفیل محمد	مولانا جان محمد عباسی	پروفیسر غفور احمد
چوہدری رحمت الٰہی	پروفیسر خورشید احمد	خرم مراد
نعیم صدیقی	مولانا خلیل احمد حامدی	مولانا گوہر رحمٰن
مولانا فتح محمد	حافظ محمد ادریس	لیاقت بلوچ
سید منور حسن	ایوب ٹھاکر	ڈاکٹر صیام

- ٹائیٹل، دیدہ زیب
- کتابت، کمپیوٹرائزڈ
- ضخامت، ۲۶۴ صفحات
- قیمت، -/۳۰ روپے
- لائبریری ایڈیشن، -/۴۵ روپے

ادارہ ترجمان القرآن (پرائیویٹ) لمیٹڈ اردو بازار، لاہور
فون: ۳۲۴۴۶۸-۶۸۶۳۶ پوسٹ بکس نمبر ۱۴۴۳